وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا ٱلۡقُرۡءَانَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٖ (القران)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے (سورۃ القمر)

جلد 11	شمارہ 08	ذوالقعدہ 1438ھ	اگست 2017ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی — مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

حافظ مختار احمد گوندل — تزئین وگرافکس: جواد عمر

پروفیسر خلیل الرحمٰن — قانونی مشاورت:

محمد فیاض عادل فاروقی — محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زربنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 400روپے، قیمت فی شمارہ 40روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو۔ملک شام کی بدامنی کا مستقبل؟(2)	انجینئر مختار فاروقی	6
4	اُمت مسلمہ کی اسلام سے غداری......	ڈاکٹر فیروز کمال	16
5	حقیقتِ قربانی	انجینئر مختار فاروقی	20
6	فکر اقبال کی روشنی میں، ذرائع علم	ڈاکٹر طالب حسین سیال	43
7	بدترین مذہبی گلوبل دہشت گردی	پروفیسر رشید احمد انگوی	52
8	فیس بک کا بائیکاٹ............	محمد منظور انور	56
9	قرآن اکیڈمی جھنگ کے زیر اہتمام سیمینار	عبدالمجید کھوکھر	59
	تبصرہ و تعارف کتب		61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الفیل آیات 5، رکوع 1

اس سورۂ مبارکہ میں اصحاب الفیل (ہاتھی والوں) کے واقعے کا مختصر بیان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محترم گھر خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے ایک بڑی فوج اور کچھ ہاتھی لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل کر کے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا تھا۔ وہ عذاب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے جھنڈ بھیجے جنھوں نے اس فوج پر کنکر برسائے، اللہ کی قدرت سے وہ کنکر بندوق کی گولی سے زیادہ کام کرتے تھے، جس کو وہ کنکر لگتا تھا اس کے جسم میں ایک عجیب قسم کا زہریلا مادہ چھوڑ جاتا تھا۔ اس عذاب کے نتیجے میں کچھ لوگ وہیں ہلاک ہو گئے اور جو بھاگے تھے وہ بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے۔ اصحاب الفیل کا یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے چند ہفتے قبل پیش آیا تھا اور عرب کے تمام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس گھر کی حفاظت کا یہ انتظام کسی بت یا دیوتا نے نہیں کیا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں ہے کہ اگر حملہ آور فوج مکہ میں گھس جاتی تو کعبہ کی بے حرمتی کے علاوہ قرآن مجید میں ملکہ بلقیسؓ کے الفاظ کے مطابق اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً گھر میں گھستے اور ہر عورت کی حرمت بھی پامال ہوتی تو حضرت آمنہ کو نقصان پہنچنے کا بھی قوی امکان تھا۔ لہٰذا خدائی تدبیر نے کعبہ سے زیادہ یا کعبہ کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت کو محفوظ بنا دیا۔ اس واقعہ کے تذکرہ سے انھیں

اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ حضرت محمد ﷺ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ وہ سوچ لیں کہ اگر انھوں نے اس دعوتِ حق کو قبول نہ کیا اور انھیں ستایا تو جس اللہ نے انھیں پہلے بچایا تھا وہ اب بھی انہیں اہل مکہ ظلم و جور سے بھی محفوظ رکھے گا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِیْ تَضْلِيْلٍ ○

کیا ان کا داؤ غلط نہیں کر دیا

وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○

اور ان پر جھلڑ کے جھلڑ جانور بھیجے

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ○

جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○

تو ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھس

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

عمر کے اعتبار سے انسان کے لیے خوش خبریاں

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

مَنْ عَمَّرَہُ اللّٰہُ أَرْبَعِیْنَ سَنَۃً فِی الْاِسْلَامِ کَفَّ اللّٰہُ عَنْہُ أَنْوَاعَ الْبَلَاءِ: اَلْجُذَامِ وَالْبَرَصِ وَخَتْرِ الشَّیْطَانِ، وَمَنْ عَمَّرَہُ اللّٰہُ خَمْسِیْنَ فِی الْاِسْلَامِ لَیَّنَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْحِسَابَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، وَمَنْ عَمَّرَہُ اللّٰہُ سِتِّیْنَ سَنَۃً فِی الْاِسْلَامِ رَزَقَہُ اللّٰہُ الْاِنَابَۃَ اِلَی اللّٰہِ بِمَا یُحِبُّ اللّٰہُ، وَمَنْ عَمَّرَہُ اللّٰہُ سَبْعِیْنَ سَنَۃً فِی الْاِسْلَامِ أَحَبَّہُ أَھْلُ السَّمَاءِ وَأَھْلُ الْأَرْضِ، وَمَنْ عَمَّرَہُ اللّٰہُ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً فِی الْاِسْلَامِ مَحَا اللّٰہُ عَنْہُ سَیِّئَاتِہٖ وَکَتَبَ حَسَنَاتِہٖ، وَمَنْ عَمَّرَہُ اللّٰہُ تِسْعِیْنَ سَنَۃً فِی الْاِسْلَامِ غَفَرَ اللّٰہُ ذُنُوْبَہٗ وَکَانَ أَسِیْرَ اللّٰہِ فِیْ أَرْضِہٖ وَ شَفَعَ لِأَھْلِ بَیْتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (مسند ابی یعلی، عن انس رضی اللہ عنہ)

’’جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حالت اسلام میں چالیس سال کی عمر دی، اس سے اللہ تعالیٰ مختلف قسم کی بیماریاں مثلاً کوڑھ، برص اور دماغ کی خرابی کو ہٹا دیتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں پچاس سال کی عمر دی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر حساب کو آسان فرما دیتا ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ساٹھ سال کی عمر دی تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مرضی کے مطابق رُجوع اِلی اللہ کی توفیق دیتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ستر سال کی عمر دی تو آسمان اور زمین والے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں اسّی سال کی عمر دی تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کی نیکیاں لکھتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ اسلام میں نوے سال کی عمر عطا فرما دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا قیدی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے گھر والوں کی سفارش کرے گا‘‘۔

ملکِ شام کی بدامنی کا مستقبل؟
ایک آتش فشاں پھٹنے کو ہے

2

انجینئر مختار فاروقی

مشرقِ وسطیٰ میں اکیسویں صدی میں
ظاہر ہونے والی مشہور اور اہم نجات دہندہ شخصیات

ملک شام کے حالیہ بحران کے پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے ہم خطے میں موجود تین مذاہب یہودی (صہیونیت)، عیسائی اور مسلمانوں کے مذہبی لٹریچر میں مذکور چند شخصیات کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس وقت کے ماحول کو اس کے حقیقی کینوس (CANVASS) میں دیکھا اور سمجھا جاسکے۔

1۔ یہودیت

مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کے نام سے قائم ریاست (مئی 1948ء) ایک یہودی ریاست ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے تھوڑے ہی عرصے بعد 70ء میں بنی اسرائیل پر ٹائٹس رومی کے حملے کی شکل میں عذابِ الٰہی آیا اور بے شمار یہودی قتل ہوئے اور باقیوں کو فلسطین سے جلاوطن کر دیا گیا۔ اس وقت سے فلسطین میں یہود کی کوئی آبادی نہیں تھی۔ تاہم انیسویں صدی کے آخر میں جب مغربی استعمار نے عثمانی سلطنت کو ختم کرنے کا عملی منصوبہ بنایا تو پہلی جنگ عظیم (1914ء سے 1918ء) کے اختتام سے پہلے ہی فروری 1917ء کے بالفور ڈیکلریشن کے ذریعے

برطانیہ نے فلسطین میں یہود کو آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ جس کے بعد یہود نے اپنے مالی وسائل کے زور پر جائیدادیں خریدیں اور آباد ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم (1939ء سے 1945ء) کے بعد مئی 1948ء میں اسرائیل کی ریاست کا باقاعدہ سرکاری اعلان کر دیا گیا اور کوششیں ہوئیں کہ دنیا بھر سے یہود یہاں آ کر آباد ہوں مگر اس فیصلہ پر جزوی عمل درآمد ہوسکا۔ آج بھی امریکہ، روس، ایران وغیرہ میں یہودی آباد ہیں۔ ایران میں اصفہان کے علاقے میں یہود خاصی تعداد میں آباد ہیں (تقریباً تین لاکھ) اور ان کی باقاعدہ ایرانی مجلس قانون ساز میں ایک سیٹ ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک یہودی مذہب (صہیونیت) کے پیروکاروں میں ایک بڑی شخصیت پیدا ہوگی جو یہودی مذہب کی بہبود کے لیے بڑا کام کرے گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام (حکومت 960ق م سے 920ق م تک) کے تعمیر کردہ قبلہ ہیکل سلیمانی کی ازسرنو تیسری مرتبہ تعمیر کرے گی۔ یہود کا یہ قبلہ 70ء سے مسمار پڑا ہے اور 1948ء سے اسرائیل کے قیام کے بعد سے مستقل کوششوں کے باوجود یہ تعمیر شروع نہیں ہوسکی اس سلسلے میں کئی حقیقی رکاوٹیں موجود ہیں۔ مسلمانوں کے لٹریچر میں یہ شخصیت 'دجّال' کے نام سے موسوم ہے۔ یہی شخصیت اسرائیل کی سرحدوں کی توسیع کا کام بھی کرے گا یعنی گریٹر اسرائیل قائم کرے گا جس کا نقشہ یہودی ایک صدی سے اپنی کتابوں میں شائع کرتے آ رہے ہیں۔

ایرانی یہود کے ہاں ایک اور اہم شخصیت کا بھی تذکرہ ہے اور (یہ بات یہود کے مذہبی عقیدے کے ایک منطقی نتیجے کے طور پر یقینی بھی نظر آتی ہے) یہ شخصیت اصفہان سے ظاہر ہوگی (اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہم اپنے ایک مضمون 'اصفہان' شائع شدہ حکمت بالغہ فروری 2010ء میں درج کر چکے ہیں وہاں دیکھی جاسکتی ہے) مختصراً عرض ہے کہ یہودی مذہبی کتاب تورات کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو بوجوہ فلسطین میں رومی اقتدار میں غلامی کی زندگی گزارنے والے یہودی ان پر ایمان نہ لائے حالانکہ ان کی پیدائش، بچپن، جوانی حتیٰ کہ ان کا 30 سال کی عمر میں تبلیغ اور 33 سال کی عمر میں رفع آسمانی کا واقعہ سب معجزات سے عبارت ہے۔ منطقی طور پر یہ شخصیت جس کا ان کی کتابوں میں وعدہ تھا وہ ــــ ابھی آنی ہے اور یہودی اسی کا انتظار کر رہے ہیں اور ان کے نزدیک ان کے 'حقیقی عیسیٰ' اصفہان کے یہود کے ہاں سے اصفہان

میں ظاہر ہوں گے۔ گویا مشرقِ وسطیٰ کے یہود (صہیونیت) کے ہاں دو اہم شخصیات کا ظہور دورِ حاضر میں متوقع ہے: ایک اسرائیل کا بڑا لیڈر اور ہیرو اور دوسرے 'مسیح'۔ مسلمانوں کے لٹریچر میں اصفہان سے ظاہر ہونے والی اس شخصیت کو 'مسیح الدجال' (یعنی 'جعلی مسیح' یا 'خود ساختہ مسیح' یا 'نقلی مسیح') کہا گیا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں رائج اس اصطلاح سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخصیت اصفہان سے ظاہر ہو کر اسرائیل جائے گی، جہاں وہ 'یہود کا ہیرو' بن جائے گی۔

2۔ عیسائیت (مسیحیت یا CHRISTIANITY)

☆ عیسائیت دنیا میں اپنے پیروکاروں کی تعداد کے اعتبار سے سب سے بڑا مذہب ہے اور 220 کروڑ لوگ مسیحی کہلاتے ہیں۔ ان میں ایک قلیل تعداد لوگ (MORMONS) اپنے عقائد کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دیے جانے سے انکار کرتے ہیں اور زندہ آسمانوں پر اُٹھائے جانے کے قائل ہیں تاہم آج کی عیسائیت کی عظیم اکثریت (کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقے) حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کے قائل ہیں۔ البتہ ان میں مصلوب ہونے کے بعد کی تفصیلات میں اختلاف ہے۔ تاہم مختصراً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے منتظر ہیں اور ان کے اس انتظار کی شدت کا یہ عالم ہے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں اور مضامین اس موضوع پر موجود ہیں بلکہ ایک کتاب کا نام FORCING GOD's HANDS کے نام سے بھی موجود ہے جس کے مشمولات کتاب کے عنوان سے ہی ظاہر ہیں یعنی خدا کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ اب حضرت مسیح کو دوبارہ جلدی یا فوراً بھیج دے۔

☆ عیسائیت کے مذہبی لٹریچر اور بائبل (BIBLE) کے مشمولات کے بارے میں مسلمانوں کا نقطۂ نظر واضح ہے کہ بائبل میں موجود تورات، زبور، دیگر صحائف اور انجیل کے نام سے 'عبارات' اصلی اور آسمانی متن نہیں ہے بلکہ بعد میں مسیحی یہودی علماء نے یہ کتابیں خود تصنیف کی ہیں۔ اصلی کتابیں یا تو واقعتاً گم ہوگئی ہیں یا یہودی اور عیسائی مذہب کے مذہبی پیشوا خود اس کو بالارادہ چھپائے ہوئے ہیں اس عمل سے وہ اپنے خود ساختہ اور مذموم وحی بیزار، خدا بیزار اور انسان و اخلاق دشمن مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

☆ عیسائیت اور یہودیت گزشتہ دو ہزار سال کی تاریخ میں ایک دوسرے کے دشمن مذاہب

ہیں اور اس کی بڑی خونیں تاریخ ہے اور یورپی مصنّفین اور سیکولر مزاج کے جدید اہل قلم حضرات کو جو 'بوئے خوں' مسلمانوں کے لٹریچر اور تاریخ میں نظر آتی ہے اس سے کہیں زیادہ متعفّن خون آلودہ تاریخ عیسائیت اور یہودیت کی باہمی چپقلش کی تاریخ ہے۔ اور یہ بات بر سرِ راہے بطور عبرت پذیری کے نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ سیکولر دنیا کی تاریخ میں رومی اور یونانی حکمرانوں کی تاریخ تو نہ صرف خونی اور سفّاکانہ ہے بلکہ شاید ناقابل بیان حد تک شرمناک بھی ہے۔ بطور مثال انٹرنیٹ پر TORTURE اور ROMAN TORTURE یا GREECE TORTURE کا 'دل کو تھام کر' مشاہدہ کر لیں تو کسی مزید ثبوت یا دلیل کی ضرورت نہیں رہے گی۔

☆ عیسائیت اور یہودیت (صہیونیت) کے درمیان کوئی غیر مرئی رشتہ اور رابطہ ایسا موجود ہے جو ان دونوں مذاہب کو دو علیحدہ 'حقیقتیں' ہونے کے باوصف ایک اور متحد رکھتا ہے۔ بائبل کا 'عہد نامہ قدیم' مشترکہ دستاویز ہے جس پر دونوں کا اتفاق ہے۔

صہیونیت نے عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کے عقیدے (اور صلیب کے نشان کے ہر وقت ساتھ رکھنے کے عمل) کے باوصف اپنے منصوبے کی ضرورت کے طور پر عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر کہیں دور چلے جانے کے عقیدے کو رواج دیا۔ جیسا کہ اوپر یہودیت کے تذکرے میں درج ہے کہ یہودیت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الزامات لگا کر صلیب تک پہنچایا۔ خود منتظر ہیں کہ 'اصلی' اور 'حقیقی مسیح' اب ان کے درمیان اصفہان سے ظاہر ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کے نزدیک صلیب کے واقعہ کے بعد ایک نئے مسیح کا 'جعلی' اور فرضی ہونا ایک فطری اور منطقی نتیجہ تھا مگر صہیونیت نے عیسائیت کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے لیے (جس کے لیے کئی دیگر مواقع پر بھی یہودیت کے طرزِ عمل کی مثالیں موجود ہیں) عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب دیے جانے کے بعد زندہ ہونے اور اب دوبارہ آنے (SECOND COMING) کا نظریہ دیا اور صہیونیت عصر جدید میں عیسائیت کو اپنے ملک اسرائیل کی مضبوطی اور استحکام کے لیے استعمال کرتے رہتے ہیں حالانکہ عالم عیسائیت اگر ان نظریات میں مخلص ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کر دیا گیا تھا تو یہودیت کے ہاں آنے والے 'مسیح' کی حقیقت، جعلی اور نقلی مسیح کی طرح

’فرضی‘ کہانی کی رہ جائے گی اور یہودیوں کے اس ’مسیح‘ کا عیسائیت کے نزدیک ’دجّال‘ اور مسیح الدجال ہونا اس بات کا پہلا منطقی نتیجہ ہوگا۔ مگر کوئی پوشیدہ قوت عیسائیت کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے یہ حقائق عام نہیں ہونے دیتی اور عیسائیت کو EXPLOIT کرتی چلی آ رہی ہے۔

عیسائیوں کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مدمقابل کسی نقلی اور جعلی مسیح کا تصور موجود ہے جسے انگریزی میں ANTICHRIST کہا جاتا ہے۔ مگر صہیونیت نے چالاکی سے اور میڈیا کے زور پر دنیا میں یہ پروپیگنڈا کر دیا ہے کہ حقیقی مسیح وہ ہیں جو اب یہود کے ہاں آنے والے ہیں۔ درحقیقت یہود کے ’اصلی مسیح‘ ہیں جو اصل مسیح علیہ السلام کے مخالف ہوں گے۔ لہٰذا صہیونیت کے فرضی مسیح میڈیا وار کے ذریعے حقیقی قرار پا چکے ہیں جبکہ عیسائیوں کے پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں پہلے صلیب چڑھ جانے کا عقیدہ بنا کر عام کیا، پھر ان کے صلیب کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر رفع آسمانی کا عقیدہ ایجاد کیا اور اب حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد اور نزول کو مسخ کر کے بطور دجال اور ANTICHRIST کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ کسی شاعر نے ایسی چالبازی کے بارے میں کہا ہے:

تیری زلف میں آئی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں ہے

عیسائیت کو یہود نے جو دھوکا دے رکھا ہے کہ یہود کے مطابق آنے والے پیغمبر ہی حقیقی ’مسیح‘ ہیں جس کی آمد پر بنی اسرائیل ان پر ایمان لائیں گے اور یروشلم آباد ہوگا جہاں آج کے یہودی اور عیسائی قابض ہیں۔ لہٰذا دنیا بھر کے عیسائیوں کو بنی اسرائیل کی ’کھوئی ہوئی بھیڑوں‘ (جن کو 70ء میں فاتح ٹائٹس رومی (TITUS) نے فلسطین سے جلاوطن کر دیا تھا اور وہ دو ہزار سال سے دنیا میں منتشر رہے ہیں) کو فلسطین میں آبادکاری میں مدد دینا ضروری ہے اور یہود کے لیے عیسائیوں (برطانیہ اور امریکہ) کے تعاون سے بنائے گئے ناجائز ملک اسرائیل کی حفاظت اور یہود کی آبادکاری کے علاوہ یہودیوں کے ہاں خود ساختہ عقیدے کے مطابق آنے والے مسیح (جو جھوٹے مسیح ہوں گے یعنی مسیح الدجال) ان کی حفاظت و صیانت بھی عیسائیوں کا دینی فریضہ ہے جبکہ عیسائیوں کے حضرت مسیح جو 30ء تا 33ء یروشلم میں نبوت کرتے رہے مردوں کو زندہ کیا، کوڑھیوں اور مادرزاد اندھوں کو شفایاب کیا جنھیں بنی اسرائیل کے ایک طبقے نے مجرم بنا کر

رومیوں کو سزائے موت کے لیے پیش کر دیا جو مصلوب بھی نہیں ہوئے اور نہ قتل ہوئے وہ آسمانوں پر اُٹھا کر بچا لیے گئے اور ان کی جگہ کوئی اور سولی چڑھا دیا گیا۔ یہ حقیقی مسیح آسمان سے اُتریں گے یہ حضرت مسیح علیہ السلام ملک شام میں اُتریں گے جبکہ یہود کے عقیدے کے مطابق جو مسیح پیدا ہونے والے ہیں وہ اصفہان میں پیدا ہوں گے۔ یہی حقیقت ہے اور یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

3۔ مسلمان اور اسلام

☆ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک جہاں خانہ جنگی کا سماں ہے اور کئی نادیدہ قوتیں اس میں انسانی بنیادوں پر کسی مصالحت، صلح اور قیامِ امن کے منصوبے پر کام کرنے کی بجائے اُلٹا اس آگ پر تیل ڈالنے اور اس کو بھڑکانے کے عمل میں مصروف ہیں۔ عصر حاضر کے نمرودوں کی جلائی ہوئی یہ آگ جس فریق کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا رہی ہے وہ بے چارے مسلمان ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ماننے والے اور اولاد ہیں۔

☆ یہ بات آج کے میڈیا اور صحافت کے لحاظ سے نا معلوم کتنا عظیم گناہ ٹھہرے مگر حقیقت یہی ہے کہ مشرقِ وسطیٰ اور بالخصوص شورش زدہ علاقوں میں بے گھر ہو کر ذلیل وخوار ہونے والے صرف مسلمان اور اہل سنت عقیدے کے مسلمان (سُنّی مسلمان) ہی ہیں۔

ذرا سے گہرے مشاہدے اور ذہن پر دباؤ ڈالنے سے یہ حقیقت آشکارا ہو سکتی ہے کہ اگر مشرقِ وسطیٰ سے بھاگ کر لیبیا اور امریکہ وکینیڈا کے پناہ گزینوں کے کیمپوں کے باسیوں کی مذہبی شناخت (DEMOGRAPHY) کا جائزہ لیا جائے تو آج کے 'آزاد میڈیا' کا پول کھل جائے گا۔ اہل علم تو پہلے ہی جانتے ہیں کہ آج کا میڈیا، چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا، کُل کا کُل انجینئرڈ، فیچرڈ اور جھوٹ کا پلندہ ہے اور کسی نادیدہ ذہن کے منشا کے مطابق بعض ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ اس کی اطلاعات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مشرقِ وسطی کے مہاجرین اگر عیسائی ہوتے تو ان مہاجرین کا یورپ وامریکہ وکینیڈا میں یہ حشر نہ ہوتا بلکہ وہ ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے اور AIR LIFTING کے ذریعے فوراً محفوظ جگہوں پر پہنچائے جاتے اور ان کی آبادکاری کا اعلیٰ انتظام کیا جاتا، پھر میڈیا اور نادیدہ صہیونی ذہن کے زرخرید عالمی ادارے جیسے یو این او، اخبارات، ٹی وی چینلز وغیرہ اس سانحہ کا تذکرہ کر کے اور مبالغہ آرائی کر کے آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔

لہٰذا جب آج کا میڈیا اس انسانی سانحہ کا تذکرہ کما حقہ نہیں کر رہا تو یقیناً یہ مہاجرین عیسائی نہیں ہیں۔

بعینہٖ اگر یہ مہاجرین مسلمانوں کے شیعہ طبقہ کے ہوتے تو اوّلاً تو شام ان کو اپنے ملک سے نکالتا ہی نہیں اور اگر وہ مہاجر بن ہی گئے تھے تو ایران ان کا تذکرہ کر کے 'مبالغہ' کی حد تک اس المیے کا تذکرہ کرتا۔ چونکہ ایران بھی اس انسانی المیہ کا تذکرہ اس درجے نہیں کر رہا لہٰذا یقینی بات ہے کہ شامی مہاجرین شیعہ بھی نہیں ہیں اور اب ایک ہی صورت رہ گئی ہے کہ یہ شامی مہاجرین مسلمانوں کی اکثریت اہل سنت طبقہ سے ہیں جو سُنّی کہلاتے ہیں لہٰذا وہ ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یورپی، امریکی اور مغربی ممالک کی تجارتی منڈیوں میں 'سستی' اور BONDED لیبر کے طور پر غیر قانونی انداز میں آباد کیے جا رہے ہیں اور گھریلو ملازموں کے طور پر پناہ دیے جا رہے ہیں۔ یہ عمل اکیسویں صدی میں جدید غلامی ہی کی ایک شکل ہے جسے مغربی دنیا انسانی حقوق کی چمپئن کہلانے کے باوصف فروغ دے رہی ہے اور اس کی سب سے بڑی BENEFICIARY ہے۔

مشرقِ وسطیٰ اور بالخصوص شام کی سُنّی آبادی کے ساتھ یہ کھیل کیوں کھیلا جا رہا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

☆ عصر حاضر میں مسلمانوں میں جن شخصیات کا معجزانہ طور پر یا عالم اسباب میں عادی قانون کے تحت انتظار کیا جا رہا ہے اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ (یہ ترتیب امکانی (غیر حتمی) حد تک زمانی ہے)

1۔ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام:

تمام مسلمانوں کے نزدیک ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور ہمارے پیغمبر سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قربِ قیامت کے جو احوال بتائے ہیں اس میں وہ مسیح جو 30ء تا 33ء یروشلم میں معجزات دکھاتے رہے اور بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی شرارت سے رومیوں کی طرف مصلوب ہونے سے پہلے زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیے گئے ان کا دوبارہ تشریف لانا یعنی نزولِ عیسیٰ علیہ السلام بھی 'اَشراط الساعۃ' میں سے ایک اہم 'وقوعہ' ہے۔ یہ واقعہ دمشق (شام) میں ہوگا اور احادیث صحیحہ میں اس کی تفصیل آئی ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کا تشریف لے آنا ایک معجزہ ہوگا

اوراس میں کسی انسانی تگ ودواور محنت کا عمل دخل نہیں ہے یہ ارسالِ رُسل اور بعثت انبیاء کرام کی طرح خالصۃً ایک تکوینی امر ہے جبکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جس نزولِ ثانی (2nd COMING) کے قائل ہیں چونکہ اس کے پیچھے اُن کے مذہبی دلائل کمزور ہیں لہٰذا انھوں نے اپنے اس مزعومہ امر کو امر واقعی بنانے کے لیے اپنی طرف سے ایک مناسب حال فضا کی تیاری اور عوام میں اس کی قبولیت کے لیے ایک ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے میڈیا اور پروپیگنڈا کا بھی سہارا لیا ہوا ہے اور یہ یہود کے فرضی مسیح (مسیح الدجال) کو 'معہودِ ذہنی' بنا کر کہا جا رہا ہے۔ صدفی صد یقینی بات ہے کہ آج کے منظرنامے میں مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق آنے والے حقیقی مسیح علیہ السلام اور شخصیت ہیں اور یہود ونصاریٰ جس مسیح کے آنے یا 2nd COMING کے منتظر ہیں وہ بالکل دوسری شخصیت ہیں۔

2۔ اثنا عشری شیعہ کے نزدیک بارھویں امام کا ظہور

شیعہ مسلک کے لوگوں بالخصوص اثنا عشری شیعہ حضرات کے ہاں یہ مسلّمہ امر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عسکری رحمۃ اللہ علیہ تک گیارہ امام آئے تھے جبکہ امام حسن عسکری کے ہاں 'مہدی' نام کا بیٹا پیدا ہوا جو ان کے نزدیک بارھواں امام ہے وہ چھ ماہ کی عمر میں غائب ہو گئے چند سال تک ان سے کچھ اہم شیعہ لوگوں کا رابطہ رہا جو بعد میں ختم ہو گیا۔ اس واقعہ کو تقریباً ایک ہزار ایک سو پچاس سال سے اوپر کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اثنا عشری شیعہ حضرات کے نزدیک ان کے بارھویں امام مہدی، جن کو وہ امامِ غائب لکھتے ہیں، زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں اصفہان کے 'امام اسکوائر' میں ظاہر ہوں گے، اُن کی آمد پر شیعہ مسلک کے لوگوں پر عروج کا ایک شاندار دور آئے گا۔ حالیہ عرصہ ان کے نزدیک 'ظہور' کا وقت ہے۔ چنانچہ 2009ء میں امریکہ میں "THE REVIVAL OF SHIA" نامی کتاب چھپی تھی جس میں 'امام منتظر' کی آمد کی نوید دی گئی تھی۔ ایران کے سابقہ صدر جب عہد صدارت سے ہٹے تو ان کا آخری بیان یہ تھا کہ میں جلد ہی بارھویں امام کی معیت میں دوبارہ آ رہا ہوں اور موجودہ صدر ایران جناب حسن روحانی صاحب نے جب عہدہ سنبھالا تھا تو انھوں نے بھی اس طرح کا بیان دیا تھا کہ مجھے بارھویں امام کی حمایت حاصل ہے گویا اُن کے نزدیک 'امامِ منتظر' کے ظہور کا زمانہ اب سر پر آ گیا ہے۔ ایران سے غالبًا

1988ء میں بارھویں امام کے جلد ظہور اور شیعہ عوام میں اس کی پیاس اور طلب پیدا کرنے کے لیے کتاب چھپی تھی جس کا اردو ترجمہ لاہور سے شائع ہوا 'عصرِ ظہور'۔ گویا یہ اہم واقعہ بھی وقوع پذیر ہونے کو ہے۔ اثنا عشری شیعہ دنیا میں آج کل اپنے بارھویں امام کے ظہور اور 'دابۃ الارض' کے برآمد ہونے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنے لٹریچر میں بارھویں امام اور دابۃ الارض کے ذمہ جو کام لگا رکھے ہیں صاف ظاہر ہے کہ وہ کام ممکن ہوں گے تو ہی عوامی سطح پر پیش گوئی پوری ہونے کا احساس اُبھرے گا۔

3۔ الدجّال (ایک سراپا دھوکے باز عالمی لیڈر)

اہل سنت کے ہاں ذخیرۂ احادیث میں دجال سے متعلق کثرت سے روایات آئی ہیں اور قربِ قیامت میں جو بدامنی اور خانہ جنگی کی ایک کیفیت (TURMOIL) ہوگی اس کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔

احادیث صحیحہ میں 'دجّال' کے 'اصفہان' سے نکلنے کا ذکر ہے پھر دجال کا یہودی لیڈر کے طور پر ذکر ہے اور موجودہ اسرائیل کے سربراہ یا ذمہ دار کی حیثیت سے اشارے ہیں۔ اسی طرح اسرائیل کے مشہور زمانہ ائیر بیس (AIR BASE) لیڈا (LYDA) جس کا احادیث میں 'لُدّ' کے نام سے تذکرہ ہے وہاں ایک جنگ کا ذکر ہے جس کا اہل سنت کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جو مغربی مسیحی اور یہودی لٹریچر میں ANTICHRIST کے نام سے موسوم ہے) کے ساتھ ایک لڑائی کا ذکر ہے (ترمذی شریف) جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام صہیونی لیڈر الدجّال کو 'بابِ لُدّ' کے پاس قتل کریں گے۔

4۔ حضرت مہدی

اہل سنت کے ہاں بھی ایک 'مہدی' کا ذکر ہے۔ 'مہدی' کے لفظی معنی 'ہدایت یافتہ' یا مہذب اور ایک STATES MAN یعنی کامیاب سربراہِ مملکت کا ذکر ہے۔ لیکن شیعہ مسلک کے بارھویں امام جو (261ھ میں پیدا ہوئے اور غائب ہوگئے اور) 1150 سال کی غیوبت کے بعد اصفہان سے ظاہر ہوں گے وہ 'مہدی' اثنا عشری مسلک میں 'امام' ہیں جو ان کے تصورِ امامت کے مطابق مامور من اللہ، مفترض الطاعہ، اللہ سے ہدایت لے کر شریعت میں نئے احکام دینے والا

اور 'معصوم' ہوگا۔ جبکہ اہل سنت کے تصور میں ان کا مہدی ایک عام باصلاحیت اسلامی مملکت کے چلانے کی صلاحیت رکھنے والا شخص ہوگا جو عالم اسباب میں پیدا ہوگا، بڑا ہوگا، مدینہ میں لوگ اہلیت کی بنیاد پر ان کی بیعت کرنا چاہیں گے مگر وہ انکار کر کے مکہ چلے جائیں گے بالآخر مکہ میں مسجد حرام میں لوگ ان کو پہچانیں گے اور تلاش کر کے بیعت کر لیں گے جس سے اسلام کے عالمی غلبے کی راہ ہموار ہوجائے گی۔ انھیں کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لا چکے ہوں گے۔ صرف 'مہدی' نام کے اشتراک سے شیعہ مسلک کے تصورِ مہدی اور اہل سنت کے تصورِ مہدی کو خلط ملط کرنا مناسب نہیں یہ علمی بددیانتی ہوگی۔ (جاری ہے)

وطنی قومیّت کا نظریہ اور اقبال

روئے ارضی پر پانچ درجن سے زیادہ اسلامی ممالک آج جغرافیائی، لسانی، ثقافتی اور وطنی قومیّتوں کے اصول پر الگ الگ ریاست کی شکل میں موجود ہیں۔ جبکہ اسلام میں وطن کا ایسا تصور جو انسان کی عالمگیر اخوت اور مساوات کے خلاف ہو، ایسا وطن علامہ اقبال کے بقول ایک 'بت' کا درجہ رکھتا ہے اور شرک ہے۔ بقولِ اقبال وطنیّت (NATIONISM) کا نظریہ مغرب کا تراشیدہ ایک بت ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے — غارت گر کاشانہ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے — اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!

کاش آج کے مسلمان ناموں والے حکمران دین کی اس حقیقت کو سمجھیں اور سیاسی سطح پر شرک کا خاتمہ کر کے توحید کا بول بالا کریں اور فکر اقبال کو عالم اسلام میں فروغ دیں۔

الحمدللہ کہ گزشتہ سال علامہ اقبال کے یومِ پیدائش کی مناسبت سے لاہور میں عالمی رابطہ ادب اسلامی جدہ کے زیر اہتمام عالمی اقبال کانفرنس منعقد ہوئی جس میں 15 عرب ممالک سے نمائندے تشریف لائے اور فکر اقبال کو اسلامی ورثہ اور اثاثہ قرار دیا۔ کاش عالمی رابطہ ادب اسلامی کے ذمہ داران علامہ اقبال کو مغربی سیاسی نظریہ قومیّت کی ایک صدی قبل ببانگ دہل نفی کرنے پر شاہ فیصل ایوارڈ کی سفارش فرمائیں تاکہ عالمی سطح پر بھی اس شرک کی مذمت ہو اور اُمت مسلمہ توحید اور وحدت کی طرف آسکے۔ آمین

اُمتِ مسلمہ کی اسلام سے غداری
اور مسلم حکمرانوں کی ناکامی

ڈاکٹر فیروز محبوب کمال بنگلہ دیش
(کے ایک مقالہ کی تلخیص)
ترجمہ: انجینئر عبداللہ اسماعیل

اسلام سے غداری

اسلام کا اپنا مشن، نقطۂ نظر اور مقاصد ہیں۔ ان بنیادیات میں کوئی گنجلک نہیں ہے۔ ایک حقیقی مسلم بننے کے لئے کسی انسان کو ساری زندگی اسلامی مشن، نقطۂ نظر اور مقاصد کے ساتھ جڑ کر گزارنی ہوتی ہے۔ ورنہ، وہ کافر یا منافق بن جاتا ہے۔ اسلام کے مطابق، انسانوں کی بدترین قسم کافر نہیں ہیں بلکہ منافق ہیں۔ آخرت میں، وہ جہنم کے بدترین حصے میں ڈالے جائیں گے۔ حیرت انگیز طور پر، منافق کسی کافر خاندان، سماج یا ریاست کی پیداوار نہیں ہیں یہ گھٹیا مخلوق خاص طور پر مسلم خاندانوں، معاشروں یا ریاستوں سے آتے ہیں۔ ان بُرے لوگوں کی وجہ سے، ایک مسلمان ریاست زمین پر بدترین جگہ میں بدلنے کے خطرے میں گھری رہتی ہے اور اس وقت دنیا کے کئی حصوں میں یہ ثابت ہوتا ہے۔ ان مسلم ریاستوں کے لاکھوں لوگ اب کافر ریاستوں میں رہنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ بُرے لوگ اسلام کے بنیادی عقائد اور ایجنڈا سے غدّاری کے عمل کے ذریعہ تیار کیے جاتے ہیں، وہ صرف نام کے مسلمان ہیں لیکن ان کی ثقافت، سیاست، جنگ، تعلیم، قانون، آئین، بینکوں سے تعلق اور معاشیات، قرآن مجید سے مکمل نافرمانی ظاہر کرتی ہے۔ ایسی نافرمانی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدۂ غضب کو اتار سکتی ہے۔ اسلام کے آخری رسول ﷺ نے نہ صرف جنت میں جگہ حاصل کرنے کے لئے راستہ دکھایا بلکہ اس دنیا میں امن اور کامیابی حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا۔ یہ واقعی اسلام کے کامل ترین ہونے کی نشانی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سب

سے بڑی نعمت ہے۔ کریڈٹ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے وفادار ساتھیوں کے پاس جاتا ہے کہ انھوں نے انسانیت کی پوری تاریخ میں بہترین لوگوں اور زمین پر سب سے بہترین تہذیب کوفروغ دے کر قرآنی رہنمائی کی اصل حیثیت ثابت کردی۔ سب سے بڑا شرک صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کچھ شریک کرنا نہیں بلکہ یہ سمجھنا بھی ہے کہ کوئی اور (شخص اور قوم) بھی خدا سے زیادہ بہتر قوانین، بہتر معیارات اور ثقافت کا تعین کرسکتا ہے جو اعلیٰ اخلاقیات اور امن کی طرف راہنمائی کرسکے۔ اس طرح کی عقیدت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبودوں یا اداروں کی برتری یا مساوات کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ اس آسمانی سچ سے انکار کرنا ہے کہ انسانیت کی رہنمائی خاص طور پر اللہ کا حق ہے (اِنَّ عَلَيۡنَا لَلۡهُدٰى) ۔قانون ساز کے طور پر کسی کو سمجھ لینا، چاہے یہ پارلیمان ہو، حکمران یا بادشاہ ہوں، اصل میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیّت کے خلاف پرلے درجے کی غداری ہے۔ لہٰذا یہ شرک ہے اور شرک ایک ناقابل معافی گناہ ہے۔ اس سے جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ لیکن خوفناک بات یہ ہے کہ اس طرح کا شرک مسلم دنیا میں ایک وبا کی طرح پھیل چکا ہے اور یہ اسلامی عقائد کے بنیادی اصول کو تباہ کرسکتا ہے۔ اس طرح کا شرک کامیابی سے مسلمانوں کو شریعت پر عمل اور قرآن مجید کے دوسرے احکامات کی پابندی سے روک سکتا ہے اس جھوٹی بنیاد پر کہ شریعت کے یہ قوانین اب پرانے اور ناقابل عمل ہیں۔ اس کے نتیجے میں، 57 مسلم ممالک میں سے کوئی بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ کیا ایک مؤمن اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان کے ساتھ کبھی ایسے قوانین کے ساتھ مطابقت رکھ سکتا ہے جو قرآن سے نہیں لیے گئے ہوں؟ اگر مسلمان شریعت اور دیگر اسلامی اصولوں کے خلاف بغاوت کی موجودہ سطح پر ہوتے ہوئے کوئی کامیابی، امن یا وقار حاصل کرتے تو یہ کہنا ممکن تھا کہ قرآن مجید کا راستہ اب زیادہ ضروری نہیں ہے۔ کوئی بھی دعویٰ کرسکتا تھا کہ نبی کا طریقہ اب غیر متعلق ہے لیکن مسلسل شکست، ذلت، ظلم اور مسلمانوں کی سستی اس طرح کے دعویٰ کے لئے کوئی جواز فراہم نہیں کرتے۔ بلکہ مسلم دنیا میں موجودہ تباہی اس بیماری کی سنجیدگی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مسلمان نہ صرف اپنی مشکلات کو حل کرنے میں ناکام رہے، بلکہ مسائل کی بنیادی وجہ کو سمجھنے میں بھی ناکام رہے۔ ان کی ناکامی اور ذلت کی موجودہ صورت حال مسلم دنیا میں مساجد، مدرسے، کالجوں یا یونیورسٹیوں کی کمی نہیں ہے، نہ ہی معیشت یا صنعت ہیں۔ آج، مسلمانوں کے ہاں ان کے سنہری دور سے کہیں زیادہ مدرسے، سکول اور کالج ہیں۔ ان کی معیشت ابتدائی غریب مسلمانوں کے

مقابلے میں زیادہ خوشحالی ظاہر کرتی ہے۔ آج، ان کے پاس پہلے سے زیادہ چھاؤنیاں اور فوجی ہیں۔ ان کے پاس ایٹم بم بھی ہیں لیکن دشمن کے جاری قبضے، تباہی اور خون کے بہنے کو روکنے کے لئے کچھ بھی کام نہیں آ رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کے راستے سے ایک بہت بڑا انحراف ہے جس نے انہیں موجودہ گرفت میں لے لیا ہے۔ مسجدیں، مدرسے، سکول، کالج، یونیورسٹیاں اور مسلم ممالک کے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں نے مسائل کو حل نہیں کیا بلکہ وہ مسائل کا لازمی حصہ بن گئے ہیں۔ دراصل جرم اور غلطی آج قرآن مجید سے انحراف میں اضافہ کر کے کیا جا رہا ہے۔ انحراف کی گہرائی کا اندازہ مسلم ممالک کی معاصر پالیسیوں کا نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی پالیسیوں کے ساتھ مطابقت کا موازنہ کر کے کیا جا سکتا ہے۔............

مسلمان حکمرانوں کے طرزِ حکومت کی ناکامی

قبائلی یا قومی بنیادوں پر تہذیب کی تعمیر نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لیے ایک بڑا بین الاقوامی علاقہ چاہیے۔ لہٰذا، قبائلیت اور قوم پرستی کے لیے اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے، وہ اسلام کے راستے میں سنجیدہ رکاوٹیں ہیں۔ اس لیے ان قبائلی، نسلی یا قومی حدود کو ختم کرنا ایک تہذیبی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے قبائلی، جغرافیائی یا لسانی دیواروں کو ختم کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کی۔ انہیں اللہ کے دشمنوں کے غیر قانونی قبضے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ملکیتی زمینوں کو دوبارہ واگزار کرانے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا، وہ تیزی سے جزیرہ نما عرب کی سرحدوں سے باہر نکل گئے تھے۔ لیکن قومی اور قبائلی ریاست کے رہنماؤں کی ترجیح مختلف ہوتی ہے؛ وہ لوگوں کے درمیان معمولی قبائلی یا نسلی فرق کو تلاش کرتے ہیں اور ان تقسیموں کو مضبوط بناتے ہیں۔ وہ مکمل طور پر قرآن مجید کے حکم کو نظر انداز کرتے ہیں کہ اس طرح کی تقسیم اسلام میں حرام ہے۔ ان رہنماؤں کی وجہ سے، اسلام کا مرکز مشرقِ وسطیٰ 20 سے زائد قبائلی ریاستوں میں تقسیم ہے۔ اس طرح، انہوں نے ایک اسلامی مسلم ریاست کی تعمیر کو کامیابی سے روک دیا ہے۔ اب مسلمانوں کو ترقی سے روکنے کے لئے کسی دشمن کی ضرورت نہیں ہے۔ قبائلی اور قومی ریاستوں کے رہنما یہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ وہ مزید ناکامی اور تباہی کی طرف لُڑھکنے کے لئے بہترین رہنمائی فراہم کر رہے ہیں۔ انہوں نے ان دشمنوں کے ساتھ قریبی تعلقات بنا لیے جنہوں نے ماضی قریب میں خلافت کو تباہ کر دیا اور مسلمانوں کے مرکز کی زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ ان کی وجہ

سے، امریکہ، فرانسیسی، برطانوی اور روسی بمبار طیارے اپنی مرضی کے کسی بھی مسلمان شہر پر بمباری پوری آزادی سے لطف اندوز ہو کر کرتے ہیں۔ان موقع پرست حکمرانوں کی وجہ سے، مسلم اُمت کی تہذیب کی ترقی کو مکمل ناکامی کا سامنا ہے۔وہ 57 قبائلی یا قومی ریاست تو بنا سکتے ہیں، لیکن ایک ہی بنیادی تہذیبی ریاست کی تعمیر میں بہت بری طرح ناکام ہیں۔یہ صرف ایک ناکامی نہیں ہے بلکہ، یہ تفویض شدہ ذمہ داری سے جانتے بوجھتے غداری بھی ہے۔حقیقت میں، مسلم دنیا کے تمام سیاسی، ثقافتی، نظریاتی اور تہذیبی زوال کی بنیادی وجہ یہ ہے۔

انسانی تاریخ میں، اسلام ہی واحد مذہب تھا جو ریاستی، مذہبی روایات اور ثقافت سے قدیم غلط نظریات کو اکھاڑ سکتا تھا اور خاص طور پر خدائی قوانین اور رہنمائی کی بنیاد پر تمدن کو اٹھا سکتا تھا۔ بدنام ثقافت اور ورثہ کے بجائے، مسلمانوں نے توحید، بھائی چارہ، جہاد اور ایثار کی نئی ثقافت پیدا کی۔ لہٰذا، اسلامی تمدن کی مخصوص برتری صرف ان خوبصورت گرینڈ مسجدوں، میناروں، شہروں، باغوں، عوامی حماموں، کپڑے، پوشاکوں، پودوں، ادب اور آرٹس کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ، سب سے زیادہ اہم خصوصیات، خدائی قوانین (شریعت)، پھلنے پھولنے والی ثقافت، نور پھیلانے والی تعلیم، نسلی رواداری اور گلوبل عالمگیر برادری کے اصول ہیں۔انھوں نے بہت سے ممالک کو فتح کیا، لیکن دوسروں کے برعکس انھوں نے غیر مسلموں کے کسی مخصوص ملک میں ہالوکاسٹ یا نسل کُشی نہیں کی۔انھوں نے بلقان، اسپین، افریقہ اور بھارت میں سینکڑوں سال حکومت کے باوجود ان ممالک میں مذہبی اقلیتوں کے طور پر رہنے کو ترجیح دی۔لہٰذا، ماضی کی اسلامی تہذیب اب بھی پوری انسانی تاریخ میں منفرد اور بے مثال ہے۔ یہ ایک بڑی اسلامی خلافت تھی جس سے ایسے بڑے بنیادی ڈھانچے اور ریاستی اداروں کے ساتھ انسانیت کے تمدن کی تعمیر میں کام لیا گیا تھا۔اب مسلمان ایسی ریاست سے محروم ہیں۔اس کے بجائے، اب وہ 50 سے زائد فاسد، منقسم اور قبائلی یا قومی ریاستیں رکھتے ہیں۔ یہ ریاستیں صرف ناکامیوں کے لئے ایک بہترین بنیادی ڈھانچہ فراہم کر سکتی ہیں جب تک ہم اپنے اسلامی اصولوں یعنی حریت، اخوت و مساوات پر عمل پیرا ہو کر تمام مسلمان ملکوں کو جمع کر کے ایک متحدہ مسلم ریاست تشکیل نہیں دے دیتے۔

حقیقتِ قربانی

انجینئر مختار فاروقی

مدیرِ مسئول جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے کیڈٹ کالج جھنگ میں منعقد ہونے والے ماہانہ دروسِ قرآن کے سلسلے میں ایک درس مذکورہ عنوان پر دیا تھا، جسے افادۂ عام کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتب: انجینئر عبداللہ اسماعیل)

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے بعد سورۃ البقرۃ کی 126 تا 129 آیات تلاوت کیں اور فرمایا:۔

محترم طلباءِ کرام اور معزز حضرات! ہماری آج کی گفتگو کا عنوان ہے حقیقتِ قربانی۔ آج ہم عید الاضحیٰ کے حوالے سے قربانی کی حقیقت کے موضوع پر گفتگو کریں گے کہ یہ قربانی ہم کیوں دیتے ہیں۔

قربانی کا لفظ 'قرب' سے بنا ہے۔ قرب کے معنی ہیں کسی کے قریب ہونا۔ قربانی کے معنی ہوں گے ایسا کام جس کے کرنے سے ہم اللہ کے قریب ہو جائیں۔ کوئی ایسا کام ہے جو اللہ کو پسند ہے، اس سے اللہ خوش ہوتا ہے یا اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس کو کرنے سے گویا ہم اللہ تعالیٰ کی GOOD BOOK میں شامل ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے گا۔ اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ قربانی مختلف چیزوں کی ہوتی ہے۔

مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں نے جان کی قربانی دے دی۔ آدمی ملک و وطن کے لیے اپنی جان کی بھی قربانی دے دیتا ہے۔ کوئی آدمی اپنی جان کی قربانی اللہ کے دین کے لیے دے دیتا ہے۔ فلاں آدمی نے اس کے لیے وقت کی قربانی دی ہے۔ فلاں آدمی نے پیسے کی بڑی قربانی دی ہے۔ کسی آدمی نے کسی کے لیے کوئی خدمت کی ہے، PAINS لیں ہیں، بہت زیادہ تکلیف اٹھائی ہے، مصیبتیں برداشت کی ہیں تو اس کے لیے بھی ہم کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کے لیے بڑی قربانی دی ہے۔ تو قربانی ایسے عمل کو کہتے ہیں جو جس کے لیے کیا جائے ہم اس کے قریب ہو جائیں، اس کے دوست بن جائیں، اس کے دل میں ہم جگہ بنا لیں۔

اللہ کے لیے کیا قربانی دی جائے گی؟ یہ ہم خود نہیں طے کر سکتے کہ یہ کام کر لو تو ہم اللہ کے قریب ہو جائیں گے یا یہ کام کر لو تو ہم اللہ کے رسول ﷺ کے قریب ہو جائیں گے۔ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے کہ کونسا کام کر کے تم میرے قریب ہو سکتے ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بتایا ہے کہ جو آدمی یہ کام کرے وہ میرے قریب ہو جائے گا مثلاً اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے دین پر جتنا چلتا ہے وہ قیامت کے دن اتنا ہی اس کے قریب ہوگا۔ جو آدمی اللہ کے رسول ﷺ پر بہت زیادہ درود شریف بھیجتا ہے، فرمایا وہ بھی میرے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے۔ گویا کہ دین کے مختلف کام ہیں جن کو اگر شوق سے کیا جائے، برضا و رغبت (WILLINGLY) کیا جائے، آگے بڑھ کر کیا جائے تو اس سے آدمی اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کے قریب ہو جاتا ہے۔

آج ہم اس قربانی کا تذکرہ کریں گے جو ہم عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانور قربان کرتے ہیں اور یہ قربانی حضرت ابرہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ اس کا تعلق حج سے بھی ہے اور کعبے سے بھی جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ کعبہ بڑی اہم عمارت ہے۔ ایک مکعب سا کالے پتھر کا بنا ہوا کمرہ ہے۔ اسی کی طرف ہم منہ کر کے نمازیں پڑھتے ہیں اور وہیں لوگ عمرہ اور حج کرنے جاتے ہیں اور اسی کا طواف کیا جاتا ہے۔ وہیں قربانی کا واقعہ پیش آیا تھا جس کی یاد ہم اس موقع پر مناتے ہیں تاکہ ہر سال یہ واقعہ اور اس کی تفاصیل ہم سب کے سامنے آجائیں اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہم سب میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ ہمیں اپنے دین کے

لیے کیسے قربانی دینی ہے اور وہ جذبہ کیسے اپنے اندر ہر وقت زندہ رکھنا ہے کہ ہم تو مسلمان ہیں، ہم تو اللہ کے ماننے والے ہیں، ہم تو محمد ﷺ کے ماننے والے ہیں اور ہمیں دین کے لیے قربانی دینی ہے۔ یہ جذبہ مسلمانوں میں ہر وقت تازہ رہنا چاہیے اور واقعی ہر روز، ہر دم، جہاں کہیں بھی ہوں یہ جذبہ مسلمانوں میں تازہ رہتا ہے۔ اسی کا تذکرہ آج ہم کریں گے۔

یہ قربانی کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو ایک بہت بڑے مشہور اور بڑے عزت والے پیغمبر گزرے ہیں، کی یادوں اور ان کے کچھ حالات پر مشتمل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔ آپؑ ملک عراق میں رہتے تھے۔ اس زمانہ میں وہاں نمرود نام کے بادشاہ تھے جنھوں نے کئی صدیاں حکومت کی ہے اور وہ بت پرست تھے۔ وہ نمرود بادشاہ خدائی کے دعویدار تھے، سمجھتے تھے کہ ہم خدا ہیں، کائنات کے مالک ہیں اور لوگوں کے رزق لکھتے ہیں، جس کو چاہیں دیں جس کو چاہیں بند کر دیں۔ جیسے آج کل کے بہت سارے سردار اور وڈیرے یہی سمجھتے ہیں کہ ہم علاقے کے بڑے لوگ ہیں جس کو چاہیں یہاں سے نکال دیں جس کو چاہیں مروا دیں، جس کو چاہیں جیل میں بند کر دیں۔ اسی طرح وہ بادشاہ ذرا بڑے تھے تو اس کے ساتھ خدائی کا دعویٰ بھی کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے دور میں ملک عراق میں پیدا ہوئے۔ ملک عراق، جس کا دارالحکومت آج کل بغداد ہے یہ ایک بڑا ہی RICH علاقہ ہے۔ اسی کے پاس کوفہ ہے، اسی کے پاس بصرہ شہر ہے، اسی کے پاس وہ کربلا کا شہر ہے جہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہوا ہے۔ اسی کے قریب ایک جگہ ہے جو اُرّ (URR) کہلاتی ہے، یہ پرانا شہر جو اب تباہ شدہ کھنڈر ہے، نمرود بادشاہوں کا دارالحکومت تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والد جس کا نام قرآن مجید میں 'آزر' بتایا گیا ہے، آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے وہاں ہوتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کا والد بھی اسی بت پرستی کے نظام میں وابستہ تھا۔ ایک بہت بڑے عبادت خانے کا سب سے بڑا افسر تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے گھر میں پیدا ہوئے۔

جو انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے، میں ہوں، آپ سب ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور پہلے جتنے لوگ آئے اور آئندہ جتنے لوگ آئیں گے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو جب وہ پیدا ہوتا ہے اور

وہ ابھی چھوٹا ہی ہوتا ہے ایک ضمیر دیتا ہے، ایک CONSCIENCE انسان کے اندر ہوتا ہے اوراس میں احساس پایا جاتا ہے۔ چار پانچ سال کے بچے کو بھی کھیل میں باری نہ ملے تو کہتا ہے کہ یہ بے ایمانی ہوگئی، یہ ناحق ہوگیا ہے، میرے ساتھ زیادتی ہوگئی، میرا حق بنتا تھا اور مجھے نہیں دیا گیا۔ یہ احساس چھوٹے بچوں میں بھی ہے۔ اسی طرح بہت ساری اور باتیں ہیں جن کا احساس اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی میں ڈالا ہے۔ چھوٹے بچہ کا بھی UNDERWEAR نیچے چلا جائے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ جلدی سے اپنا ستر ڈھانپ لے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ستر کا احساس دیا ہے، نیکی اور بدی کا احساس دیا ہے، لباس کا احساس دیا ہے اور اسی طرح ایک اللہ کی پہچان دی ہے اور بہت ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی میں IN-BUILT رکھ دی ہیں۔ آج کل بہت ساری الیکٹرونکس کی ایسی چیزیں آتی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں سپیکر بھی IN-BUILT ہے، سٹیبلائیزر بھی IN-BUILT ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی میں بہت ساری چیزیں IN-BUILT رکھ دی ہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی اپنی فطرت کو مسخ کر دے۔ دل تو کہتا ہے کہ سچ بولنا چاہیئے، دل تو کہتا ہے کہ کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہیئے، دل کہتا ہے کہ چوری نہیں کرنی چاہیئے لیکن آدمی اس کے باوجود یہ کہے کہ مجبوری ہے جی، فلاں بھی کر رہا ہے فلاں بھی کر رہا ہے، ماحول میں اسی طرح ہے تو اس کا ضمیر مردہ ہوجاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہت سارے لوگ ایسے موجود ہیں جن کا ضمیر کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہوجاتا ہے۔ جیسے موبائل کی بیٹری کی چارجنگ فل ہو تو اچھا چلتا ہے اور کم ہوجائے پھر مزید کم ہوجائے تو آواز آنا بند ہوجاتی ہے حتیٰ کہ اس کے بعد سگنل بھی بند ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح جس آدمی کا ضمیر کمزور ہوتے ہوتے جب بہت ہی نیچے چلا جاتا تو اس کے سگنل نہیں آتے کہ نیکی کیا ہے، بدی کیا ہے، کیا کرنا چاہیئے کیا نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ ہر چیز کو کرتا چلا جاتا ہے۔ اردو میں ہم اُس کے لیے لفظ استعمال کرتے ہیں کہ یہ آدمی بڑا بے ضمیر ہوگیا ہے یا یہ آدمی مردہ ضمیر ہے۔ جب آدمی کوئی غلطی کرتا ہے مثلاً کسی کو دھوکا دے دے یا جان بوجھ کر کسی کی چیز چھپا لے اور وہ آدمی پریشان ہے جس کی چیز چھپائی ہے تو اندر سے کوئی چیز کاٹ رہی ہوگی کہ یار یہ میں نے کیوں کیا، اس کو میں تکلیف دے رہا ہوں۔ اسے انگریزی میں کہتے ہیں کہ آدمی GUILTY CONSCIENCE FEEL کرتا ہے۔ یہ چیز

ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے اور اکثر انسان اس کو ضائع کر لیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں بھی اللہ نے یہ چیزیں ڈالی تھیں اور ان کو پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع بھی دیے تو انھوں نے اس چیز کی حفاظت کی۔ آج بھی بہت سارے لوگ ہوں گے جو اپنے ضمیر کی حفاظت کرتے ہیں لیکن ابراہیم علیہ السلام تو پیغمبر تھے اللہ نے ان کی بہت زیادہ حفاظت کی ہوگی، ہر طریقے پر ان کو سیف گارڈ کیا ہوگا کہ ان سے کوئی غلط کام نہ ہو؛ اس لیے کہ وہ دوسروں کے لیے نمونہ بننے والے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خصوصی صلاحیتیں بھی دی تھیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن پاک میں کر دیا۔ آج بھی اس معاشرے میں شاید دس ہزار میں کوئی ایک آدمی ہوگا جس کا ضمیر صحیح طریقے پر زندہ ہے لیکن ہمیں پتہ نہیں چلتا۔ ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اللہ پاک نے قرآن میں کر دیا کہ وہ نبی تھے بہت اچھے انسان تھے اور باضمیر تھے۔ اللہ نے تعریف کر دی تو آج ہم ان کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ اُس برے ماحول میں جبکہ نمرود بادشاہ تھے، بت پرستی کا دور تھا، لوگ غلط کام کر رہے تھے، اس ماحول میں بھی ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت ایسی تھی جیسے اندھیری رات میں ستارہ یا جگنو ہوتا ہے۔ اس ماحول میں بھی وہ اپنی بات پر، اپنے موقف پر قائم رہے، انہوں نے شرک نہیں کیا، بت پرستی نہیں کی اور کوئی غلط کام نہیں کیا۔ اور یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں دور یا فلاں بادشاہ خدائی کا دعویدار تھا یا بت پرست تھا اور ایسا ویسا تھا، تو وہاں صرف یہی بُرائی نہیں ہوتی تھی بلکہ وہاں بے حیائی، لوٹ کھسوٹ، شرابیں، بدمعاشی اور سارے ہی غلط کام ہوتے تھے۔ جب اس بات میں وہ غلط کر رہے ہیں تو باقی باتیں تو از خود غلط ہو جاتی ہیں۔ کمائی کے طریقے غلط ہو جاتے ہیں، لوٹ کھسوٹ عام ہو جاتی ہے، عوام کے لیے بت پرستی کا نظام بن جاتا ہے۔ جب بادشاہوں کو ہی پوجنا ہے تو گھر میں جو چاہو پوجو۔ جو آدمی بادشاہ سے بہت دور رہتا ہے ہر روز تو وہ بادشاہ کے پاس نہیں آسکتا وہ بادشاہ کا بت بنا کر اس کو پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو دنیا میں بت پرستی بھی اسی کا نتیجہ بنتی ہے۔ دنیا میں یونان، ہندوستان، فارس اور یہ سارا جاپان جو بدھسٹ اور بت پرست ہیں اور چین کے بہت سارے علاقہ میں بت پرست ہیں یہ سارے کے سارے جو طریقے دنیا میں بت پرستی کے نکلے ہیں وہ اسی طریقے پر ہی نکلے ہیں کہ وہاں کے بادشاہ ایک دور میں بہت زیادہ ظالم تھے اور اس کے نتیجے میں

سارا نظام دنیا میں پیدا ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اس ماحول میں بھی بچا کر رکھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے کچھ دوست بھی ہوں گے۔ ہر آدمی کی ایک سوسائٹی ہوتی ہے دوست ہوتے ہیں اور ہر آدمی اپنی سوسائٹی سے پہچانا جاتا ہے۔ ایک آدمی نمازی ہے اس کو ملنا ہو تو نماز کے وقت میں وہ محلے کی مسجد میں مل جائے گا۔ اس کو گھر جا کر ملنا ہو تو کسی نمازی آدمی سے پوچھ لو کہ فلاں آدمی کا گھر کہاں ہے نمازی نمازی کو جانتا ہے۔ اسی طرح کوئی فلمیں دیکھنے والا ہے یا اس طرح کے مزاج کے آدمی کو ملنا ہو تو اس کے ہم مزاج آدمی سے پوچھ لو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک خاص مزاج تھا۔ وہ موحّد تھے، وہ ایک اللہ کو ماننے والے تھے، وہ باضمیر تھے، وہ غلط کام نہیں کرتے تھے، جھوٹ نہیں بولتے تھے، کسی کو دھوکا نہیں دیتے تھے۔ تو ان کے جتنے جاننے والے دوست ہوں گے انگریزی میں کہتے ہیں: "A MAN IS KNOWN BY THE SOCIETY HE KEEPS" یعنی ہر آدمی اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر کسی آدمی کے بارے میں جاننا ہو کہ وہ کیسا ہے تو یہ دیکھو کہ اس کے دوست کیسے ہیں جیسے اس کے قریبی دوست اور اٹھنے بیٹھنے والے ہوں گے اسی طرح کے مزاج کا وہ بھی ہوگا انیس بیس کے فرق کے ساتھ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوست بھی انہی کی طرح کے تھے۔ وہی بحثیں چلتی رہتیں تھیں کہ توحید ہونی چاہئے اور ایک اللہ کو ماننا چاہئے، یہ لوگ غلط کام کر رہے ہیں، دھوکا دیتے ہیں، بے ایمانی کرتے ہیں، کم تولتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں۔ یہ ساری باتیں DISCUSS ہوتی تھیں۔ لوگ بڑے پریشان تھے۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کئی امتحانوں میں ڈال دیا یعنی کئی مواقع ان کی زندگی میں ایسے آ گئے کہ بہت بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا، سارے لوگ خلاف ہو گئے، ہنگامہ ہو گیا کہ یہ نوجوان کیا کر رہا ہے، یہ تو بڑا مسئلہ ہے، اس کو پکڑو، اس کو مارو، اس کو جیل میں ڈال دو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر مدد کی اور ابراہیم علیہ السلام کو بچا لیا۔ مثلاً قرآن مجید کے تیسرے پارے کے شروع میں جس رکوع میں آیت الکرسی ہے اس سے اگلے رکوع میں ذکر ہے کہ لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہ نمرود کے سامنے پیش کرا دیا۔ کوئی وجہ ہوئی اور لوگوں نے کہا: بادشاہ کے سامنے پیش ہو جاؤ۔ بادشاہ خود کو سجدہ کرواتا تھا جو بھی سامنے جاتا اس سے۔ ابراہیم علیہ السلام ایک اللہ

کو ماننے والے تھے انہوں نے تو سجدہ نہیں کرنا تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ ابراہیم جائیں گے سجدہ نہیں کریں گے، بادشاہ ناراض ہو جائے گا اور موت کی سزا سنا دے گا، جان چھوٹ جائے گی۔ ابراہیم علیہ السلام پیش ہوئے انہوں نے سجدہ نہیں کیا۔ لیکن گفتگو ایسی ہوئی کہ بادشاہ ابراہیم علیہ السلام کو کچھ نہیں کہہ سکا۔ گفتگو چلی کہ تم مجھے نہیں مانتے تو کس کو خدا مانتے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا ربّ وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں لے جاتا ہے اگر تو ربّ ہے تو مغرب سے سورج نکال کر مشرق تک لے جا، میں تمہیں رب مان لوں گا۔ وہ بادشاہ عام انسان ہی تھا، اس نے سوچا کہ یہ سوال آوٹ آف کورس ہے، مجھے آتا ہی نہیں ہے اس نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں تھا۔ لہٰذا وہ ہکا بکا رہ گیا۔۔ پھر نمرود نے سوچا کہ اگر میں ابراہیم علیہ السلام کو سزا دیتا ہوں تو یہ بات پھیل جائے گی کہ اس سارے سوال و جواب میں بادشاہ ہار گیا ہے لہٰذا اس نے باعزت طور پر گھر بھیج دیا جیسے کوئی گفتگو ہوئی ہی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام بچ گئے اب لوگوں کے لیے بڑی حیرانی ہوئی کہ بادشاہ کو سجدہ بھی نہیں کیا پھر بھی آ گئے۔ پھر وہ وہاں کچھ سال رہے تو وقفے وقفے سے مختلف واقعات پیش آئے۔ ایک اہم واقعہ جس کے ساتھ قربانی کا معاملہ پیش آیا اس وقت ہم وہ بیان کریں گے پھر ان کی زندگی کا آخری واقعہ پڑھیں گے۔ ہوا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام اسی ماحول میں رہتے تھے اور ان کی قوم کا ایک بہت بڑا کوئی عبادت خانہ تھا جو ان کا بت پرستی کا مرکز ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ اس کا انچارج تھا۔ گویا ابراہیم بہت بڑے باپ کے بیٹے تھے اس لیے وہاں آنے جانے میں ان کے لیے کوئی سکیورٹی پرابلم نہیں تھا۔ ایک دفعہ ہوا ایسے کہ اُن کا کوئی فنکشن تھا جیسے ہمارے ہاں 14 اگست یا 23 مارچ کو ہوتا ہے۔ سب لوگ باہر گئے ہوئے تھے اور ابراہیم علیہ السلام کو ان کے دوستوں نے کہا بھی کہ نیزا بازی، گھڑ سواری وغیرہ EVENTS کچھ دیکھ آتے ہیں آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ ابراہیم علیہ السلام نہیں گئے۔ ان کے ذہن میں ایک پروگرام تھا اس لیے وہ نہیں گئے۔ سب لوگ چلے گئے شہر سارا خالی ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام گھر سے نکلے اور وہ بت خانے میں چلے گئے، وہاں ایک بڑا بت تھا اور کچھ چھوٹے بت تھے۔ چھوٹے بت سارے توڑ دیے اور تیشہ جس سے پتھر توڑے تھے وہ بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ سارا کام اس نے کیا ہے اور وہ گھر آ گئے۔

چوکیدار کو پتا چلا، پھر کسی اور کو پتا چلا، بات ادھر اُدھر لوگوں تک پہنچی تو سب لوگ آ گئے۔ یہ کس نے کیا ہے؟ یہ تو بڑا مسئلہ ہو گیا ہے کہ کوئی ہمارے بت خانے میں سارے بت توڑ گیا، ہمارے سارے خدا توڑ گیا۔ لوگ جمع ہوئے، کہنے لگے کہ جس نے بھی یہ کیا بہت برا کیا۔ تفتیش ہوئی ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ پورے شہر میں ایک ہی آدمی ہے جو ہمارے بتوں کا نام عزت سے نہیں لیتا، وہ توحید کی بات کرتا ہے یہ اسی نے ہی کیا ہوگا لہٰذا ان کو بلایا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام آ گئے (ابراہیم علیہ السلام کی عمر تیس چالیس سال کی ہو چکی تھی) کچھ بڑے لوگ پنچائت میں بیٹھے تھے اور سوال ہوا کہ کیا آپ نے بتوں کا توڑا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم تو بتوں کے بارے میں کہتے ہو کہ یہ سب کچھ کرتے ہیں، جو بت پرستی نہیں کرتا جو مخالف ہوتا ہے یہ اس کی ٹانگ توڑ دیتے ہیں، اس کو بیمار کر دیتے ہیں، اس کا نقصان کر دیتے ہیں (بت پرست لوگ بتوں سے یہی توقع رکھتے ہیں) تم یہ اس بڑے بت سے پوچھ لو جس کے کندھے پر کلہاڑا ہے۔ اگر یہ میرا نام بتا دے کہ اس نے مارا ہے تو میں مجرم۔ اس سے پوچھ لو۔ اب صاف ظاہر ہے کہ بت تو کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ بھی پریشان ہو گئے اور تھوڑی دیر کے لیے سوچا کہ ابراہیم علیہ السلام کی بات تو ٹھیک ہے کہ یہ بت نہ سن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ تم جانتے ہی ہو کہ یہ بت بول نہیں سکتے۔ ابراہیم علیہ السلام کو موقع مل گیا، وہ اسی کے انتظار میں تھے اسی لیے انہوں نے یہ سارا کچھ کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری مت ماری گئی ہے، تم ان بتوں کو پوجتے ہو جن کے سامنے ایک آدمی دوسرے بتوں کو توڑ کر جا رہا ہے اور وہ بتا بھی نہیں سکتے۔ تو یہ کیسے تمہارے خدا ہیں۔ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ تف ہے تمہارے اور تمہارے ان بتوں کے جن کو تم پوجتے ہو۔ پھر بظاہر انہوں نے معاملہ رفع دفع کر دیا کہ اگر یہ بات پھیل گئی تو مسئلہ ہو جائے گا۔ لیکن پھر پنچائت بلائی گئی کہ اگر ابراہیم کو ہم نے چھوڑ دیا تو کل دوسرے شہر کے بت خانہ کو بھی کوئی توڑ دے گا اور پرسوں ادھر سے بھی خبر آ جائے گی کہ فلاں شہر کے بت توڑ دیے گئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی ایسا کر نہ سکے۔

قرآن مجید میں ہے کہ انہوں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ ایک بہت بڑی آگ جلائی جائے کئی ایکڑ رقبے میں اور ابراہیم علیہ السلام کو روز دکھائی جائے کہ یہ انتظام ہو رہا ہے۔ پھر ان کو اس

میں ڈال دیا جائے اور یہ جل بھن کر کباب ہو جائیں گے اور لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائیں گے۔ انہوں نے جب یہ سزا ابراہیم علیہ السلام کو سنائی تو شاید ان کا یہ خیال تھا کہ یہ ویسے ہی ڈر جائیں گے اور کہیں گے جی میری توبہ میں آئندہ ایسے نہیں کروں گا۔ ہر آدمی کو جان عزیز ہوتی ہے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام پیغمبر تھے وہ ڈرے نہیں۔ ٹھیک ہے سزا دینا چاہتے ہو تو دے دو۔ اب انہیں آگ جلانے کا بہت بڑا انتظام کرنا پڑ گیا اور آگ جلانے میں اور بڑھانے میں کئی مہینے لگ گئے۔ اب بڑا مسئلہ تھا کہ ان کو اس آگ میں ڈالا کیسے جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ کنارے پر ڈالیں تو جو ڈالنے والا ہے وہ واپس آئے گا تو جس کو ڈالا گیا ہے وہ بھی واپس آجائے گا کہیں درمیان میں کر کے ڈالنا چاہئے اور درمیان میں کیسے ڈالیں۔ انھوں نے اس کا انتظام کیا کوئی بہت بڑا جھولا بنایا اس میں ڈال کے ان کو اس آگ کے اندر ڈال دیا گیا، لیکن ابراہیم علیہ السلام پھر بھی اپنے ایمان سے متزلزل نہیں ہوئے۔ علامہ اقبال کی کتاب بانگ درا کے اخیر میں ایک نظم ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عقل یہ تقاضا کرتی ہے کہ اپنے آپ کو بچایا جائے (SAFETY FIRST)۔ پاؤں رکھنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ کانٹا نہ لگے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام آگ میں کود گئے۔ اللہ نے ان کو بچا لیا جبکہ وہ آگ میں ڈال دیے گئے تھے۔ آگ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ جتنے حصے میں حضرت ابراہیم تھے وہاں آگ تھی ہی نہیں باقی ساری آگ جلتی رہی۔ پھر مہینوں بعد ٹھنڈی ہوئی۔ جہاں گھروں میں گیس نہیں ہے اور چولہوں میں لکڑیاں جلائی جاتی ہیں وہاں چوبیس گھنٹے چولہا بھی گرم رہتا ہے آگ چولہے میں موجود رہتی ہے تو اتنی بڑی آگ تو بہت عرصے بعد ٹھنڈی ہوتی ہے۔ آج کل امریکہ میں ایک جگہ کیلوفورنیا کے پاس آگ لگی ہوئی ہے اور کوئی بیس دن ہو گئے ہیں۔ ایسی بڑی آگ کو ٹھنڈے ہوتے ہوتے کئی مہینے لگ جاتے ہیں۔ تو وہ آگ جس میں ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا اس کو بھی ٹھنڈے ہوتے ہوتے کئی مہینے لگ گئے۔ اب ابراہیم علیہ السلام آگ کے کسی ایریا میں ہیں۔ اللہ پاک نے آگ کو حکم دیا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کو کچھ نہیں کہنا۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلۡنَا یٰنَارُ کُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ (الانبیاء 69:21)

اے آگ! تو ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی ہو جا سلامتی کے ساتھ

آگ ہو یا ٹمپریچر 10- ہو جائے جیسے ہمارے شمالی علاقہ جات ہیں تو اس میں آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔ فرمایا سلامتی کے ساتھ، قابل برداشت حد تک ٹھنڈی ہو جا۔ اب ابراہیم علیہ السلام کے چاروں طرف آگ ہے وہ اس میں چھوٹی سی جگہ میں زندہ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتا رہا اور پلاتا رہا، کبھی طبیعت خراب بھی ہوگئی تو اللہ نے شفا بھی دی وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ ۔ باہر کے لوگ انتظار کرتے رہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام چیخ رہے ہوں گے اب کہہ رہے ہوں گے بچاؤ اب نکالو میری توبہ۔ اور وہ یہ انتظار کر رہے تھے کہ آگ جب ٹھنڈی ہو جائے گی تو ہم ڈھونڈ کر ابراہیم علیہ السلام کی ہڈیاں نکال لائیں گے اور شیشے کے صندوق میں ڈال کر کسی بڑے چوک میں رکھ دیں گے، تاکہ لوگ اس کو دیکھیں اور انہیں عبرت ہو کہ بتوں کو آئندہ کچھ نہیں کہنا ورنہ یہ حشر ہوتا ہے کہ آگ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ آگ ٹھنڈی ہوئی، تو ابراہیم علیہ السلام خود پیدل چل کر باہر آگئے۔ یہ نظام جہاں بادشاہ خدائی کا دعویدار تھا (خدا کے معنی ہیں کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے) جہاں بتوں کو اسی لیے پوجتے تھے کہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، وہ ابراہیم کو کچھ نہیں کہہ سکے۔ ان کو تو ابراہیم علیہ السلام نے توڑا تھا انہوں نے پھر بھی کچھ نہیں کیا۔ تو ابراہیم علیہ السلام کا زندہ بچ جانا ان کے منہ پر ایک تھپڑ تھا، تم جن کو خدا مانتے ہو وہ ایک آدمی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے یہ کیا خدا ہیں۔ اب ان کے لیے بڑی INSULT کا معاملہ ہوگیا لہٰذا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو وہاں سے نکال دیا کہ یہ علاقہ چھوڑ جاؤ۔ دیس نکالا دے دیا۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام وہاں سے نکلے۔ عمر بھی اب کافی ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی عمر میں ان کو ایک بیٹا دیا جس کے لیے انھوں نے دُعائیں مانگی تھیں، لیکن ان کے لیے ایک اور امتحان آگیا کہ اس بیٹے کو اور اس کی والدہ کو آپ مکے چھوڑ آئیں، مکہ میں اس وقت پانی نہیں تھا، آبادی نہیں تھی، ریگستان تھا۔ بڑا مسئلہ تھا کہ ایک عورت ہے اور ایک دودھ پیتا بچہ ہے وہاں ان کو چھوڑنا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام پیغمبر تھے۔ عام مسلمان کو بھی اللہ کا کہنا ماننا ہوتا ہے، لیکن عام آدمی کے لیے کوئی گنجائش ہوتی ہے چوں چراں کرنے کی، کوئی لیٹ کرنے کی۔ پیغمبر کے لیے تو ہوتی ہی

نہیں۔ انہوں نے اللہ کا یہ حکم مان لیا اور اپنی اہلیہ اور دودھ پیتے بچے کے ساتھ پانچ یا چھ سو میل کا سفر کیا، کوئی 25 روز کا سفر تھا۔ مکہ میں کعبہ کی عمارت اس وقت نہیں تھی ایسے ہی نشان تھے۔ وہاں چھوڑ کر آ گئے اور اس زمانے میں نہ بجلی تھی، نہ فریج، نہ فریزر، نہ ہاٹ پاٹ، نہ تھرماس کچھ بھی نہیں تھا، ایک مشکیزہ پانی ہوگا اور کچھ ستو، کچھ کھجوریں بس یہ دے کر آ گئے، اللہ کے حوالے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس بیٹے کا نام ہے اس کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھی۔ انہوں نے پوچھا بھی کہ آپ ہمیں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کہا ہے کہ چھوڑ کر چلے آؤ رہنے کی مجھے اجازت نہیں۔ اس پر اس خاتون نے بھی کہا کہ اللہ نے کہا ہے تو کوئی بات نہیں، اللہ ہی ہماری حفاظت کرے گا۔ جو کھانے پینے کا راشن تھا وہ کوئی چار، چھ دن چلا ہوگا بس پھر ختم ہو گیا پانی ختم ہو گیا پانی نہ ہو تو آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام پریشانی کے عالم میں دوڑیں کہ پانی مل جائے۔ ایک پہاڑی تھی صفا اس پر چڑھیں اس پر سے بھاگ کر اتری ہیں دوسری پہاڑی تھی مروہ اس پر چڑھیں کہ کوئی آدمی نظر آ جائے کوئی نظر نہیں آیا۔ پھر واپس آئیں بچے کو دیکھا پھر ادھر چڑھ گئیں کہ شاید کوئی آدمی اب نظر آ جائے سات مرتبہ ادھر اور اُدھر چڑھیں کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ پریشان ہو گئیں کہ کیا کیا جائے، لیکن جب آخری مرتبہ وہ نیچے آئی ہے تو جہاں اسماعیل بیٹا لیٹا ہوا تھا وہاں پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ وہ زم زم کہلاتا ہے آج بھی جاری ہے، چار ہزار سال سے زم زم کا یہ چشمہ جاری ہے اور متبرک ہے۔ لوگ حج اور عمرہ کرنے جاتے ہیں 40-50 لاکھ آدمی وہاں بھی زمزم پیتا ہے، یہاں بھی لاتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے برکت دے دی۔ اور اس کا پانی ایسا ہے کہ آدمی تین چار گلاس پیٹ بھر کے پی لے تو بھوک بھی ختم ہو جاتی ہے پیاس بھی ختم ہو جاتی ہے، اتنا بابرکت ہے۔ اس چشمے کے جاری ہونے سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے وہاں زندگی ممکن ہو گئی۔ جہاں پانی ہوتا ہے وہاں آہستہ آہستہ آبادی بھی ہو جاتی ہے پہلے کوئی ایک خاندان آ گیا پھر دوسرا آ گیا، پھر تیسرا آ گیا پھر آبادی ہو گئی پھر وہ شہر بنتا چلا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی ان کو ملنے کے لیے جاتے تھے، جیسے اللہ کا حکم تھا، سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ جاتے ہوں گے، جا کر حال پوچھ لیتے تھے۔ الحمد للہ پانی کا بندوبست ہو گیا اللہ تعالیٰ خیریت سے رکھ رہا ہے، دعائیں دے کر دو چار آٹھ دن رہ کر واپس آ جاتے تھے۔

پھر جب اسماعیل بیٹا کچھ بڑا ہو گیا بارہ تیرہ سال کا ہو گیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک اور امتحان میں ڈال دیا۔ یہ امتحان ہمارے اوپر بھی آتے رہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو امتحان آئے تھے ان کا ذکر چونکہ قرآن پاک میں ہے اس لیے ہم اس کو امتحان کہہ رہے ہیں اور پھر وہ پاس بھی ہو گئے تو اب کہہ رہے ہیں بڑے اچھے رہے۔ ہم میں سے ہر شخص نوجوان ہو، بوڑھا ہو، عورت ہو، مرد ہو ہر آدمی پر ہر روز بلکہ ہر لمحے امتحان ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً کبھی ایسا موقع ہوتا ہے کہ آدمی سوچتا ہے کہ جھوٹ بول کر جان بچا لیتا ہوں یا کبھی کوئی کام غلط ہو گیا ہے کسی اور کا نام لگا دوں، کوئی چیز ٹوٹ جاتی ہے کسی اور کا نام لگا دوں۔ ایسے موقع پر اگر آدمی FAIR رہے اور زیادتی نہ کرے اور نقصان ہو گیا تو کسی دوسرے کو نہ پھنسائے تو یہ صحیح ہو گا کامیاب ہو گا اور اگر چکر چلا دے مثلاً کوئی غلطی کی ہے، چوری کی ہے، دھوکا دیا ہے تو کسی دوسرے کا نام لگا دے وہ اس امتحان میں فیل ہو گیا۔ ہمارے امتحانوں کا نتیجہ قیامت کے دن نکلنا ہے۔ وہاں پتہ چلے گا کہ ہم میں سے اکثر ہر امتحان میں فیل ہو گئے۔ ابراہیم علیہ السلام ہر امتحان میں پاس ہو گئے۔ ان کا ذکر قرآن پاک میں آ گیا ہے لہٰذا ہم ان کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔

جب ان کا بیٹا اسماعیل علیہ السلام بارہ، تیرہ سال کا ہوا، کام کرنے کے قابل، بھاگ دوڑ کے قابل، تو اللہ نے ایک اور امتحان میں ڈال دیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو خواب آیا اور خواب ہم عام انسانوں کو بھی آتے رہتے ہیں لیکن وہ فضول قسم کے ہوتے ہیں جبکہ پیغمبر کو جو خواب آتا ہے ایک تو وہ حقیقت ہوتی ہے جو واقعہ آج یا کل ہونے والا ہے، اللہ وہ پیغمبروں کو پہلے دکھا دیتا ہے اور وہ ایسا کوئی کام ہو تو اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ ایسے کرنا ہو گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہا ہوں۔ بہت عمر میں اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا تھا اور اب بارہ، تیرہ سال کا ہوا تو مزید عمر بڑھ گئی تھی۔ خواب یہ تھا کہ ذبح کرنا ہے۔ اب بظاہر ہے تو مسئلہ کہ باپ بیٹے کو ذبح کر رہا ہے ویسے ہی، لیکن پیغمبر تھے انہوں نے سوچا اللہ کا حکم ہے کرنا تو ہو گا لیکن یہ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ دو چار دن کے وقفے کے بعد پھر خواب آ گیا۔ گویا اس پر زیادہ EMPHASIS ہو گیا اور دو چار دن بعد خواب پھر آ گیا۔ انہوں نے مسلسل خواب دیکھا ہے ان کا تو دل راضی ہو گیا کہ مجھے یہ کام کرنا ہو گا۔ اب بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے پوچھا ہو گا وہ پہلے ہی اللہ کی بندی تھی اس نے کہا

کہ اللہ کہہ رہا ہے تو کرو، ٹھیک ہے۔ پیغمبر کی بیوی تھیں اچھا ماحول تھا۔ اور بیٹے کو پوچھنا بھی ضروری تھا اس لیے کہ بیٹا بارہ، تیرہ سال کا ہو اگر اس کو چھری دکھا دی جائے کہ تمہیں مارنے لگے ہیں اور گولی دکھا دی جائے تو وہ بھاگ جائے تو اَسّی، نوے سال کا بندہ اسے پکڑ نہیں سکتا لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بھی CONFIDENCE میں لے کر اسے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ بیٹا یہ اللہ کا حکم ہے اب کیا کیا جائے۔

قرآن مجید میں سورۃ الصافات میں ہے: ﴿یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی﴾ بیٹے تمہاری کیا رائے ہے بتاؤ۔ اب دیکھئے ہمارے گھروں کا جو ماحول ہے کہ بڑوں کو شکایت ہے کہ بیٹے نمازیں نہیں پڑھتے، بات نہیں مانتے، سچ نہیں بولے، دین پر نہیں چلتے اور بچوں کو بھی والدین سے شکایات ہیں یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے، یوں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا گھر کا ماحول ہوتا ہے جیسی تربیت ہوتی ہے ویسی اولاد ہوتی ہے، گھر کا ماحول اچھا ہو تو بچے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ ہمارے شہروں میں تو اب حالات بہت بگڑ گئے ہیں لیکن ہمارا جو دیہاتی ماحول ہے گاؤں کا اور شہروں سے دور جو علاقے ہیں اس میں ابھی بھی چار بچے گراؤنڈ میں کھیل رہے ہوں تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ شریف بچہ ہے یہ فلانے کا بیٹا ہوگا، یہ اس طرح کا بچہ لگتا ہے یہ فلانے کا بیٹا ہوگا، یہ اس مزاج کا بچہ لگتا ہے یہ فلانے کا بیٹا ہوگا۔ یعنی گھر کے ماحول سے پہچانا جاتا ہے کہ اولاد کیسی ہے۔ اسماعیل علیہ السلام بیٹے نے اپنے والد کے کہنے پر کہ بیٹے اللہ نے خواب میں دکھا دیا ہے کہ میں تمہیں ذبح کرنے جا رہا ہوں اور پتہ تھا بیٹے کو بھی کہ ابو پیغمبر ہیں اور ان کو یہ کرنا ہی ہے۔ لہٰذا انہوں نے کہا:...... قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ...... ابا جان آپ گھبرائیں نہیں جو اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے رہا ہے آپ کر گزریں...... سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ...... آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے میں بھاگوں گا نہیں۔

یہ جواب میرے لیے بھی دینا مشکل ہے جو بڑی عمر کا ستر، اَسّی سال کا آدمی ہوتا ہے اس کے لیے بھی مشکل ہے کہ میری جان اگر دین کے لیے چاہیے تو میں حاضر ہوں لے لو، اگر مجھے مارنے سے دین کو فائدہ پہنچتا ہے تو مجھے ابھی گولی مار دو، یہ کہنا بہت مشکل ہے، بڑا دل چاہئے تب آدمی یہ زبان سے نکال سکتا ہے۔ لیکن اسماعیل علیہ السلام بیٹے نے کہا کہ ابا جان! جو اللہ آپ کو حکم دے

رہا ہے آپ کر گزریں، آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہی نے اس پر کہا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام بیٹے کو ایسا اچھا جواب کہاں سے مل گیا کیسے یاد آیا، کیسے پتا چلا کہ ایسا اچھا جواب دینا چاہیئے۔ علامہ اقبال ہی نے کہا ہے

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

اسماعیل علیہ السلام کو اچھے MANNERS کس نے سکھائے کہ باپ کا کہنا مانا جاتا ہے اور ادب سے گفتگو کی جاتی ہے؟ جواب ایک ہی ہے کہ گھر کا ماحول کام کرتا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ بچے اچھے ہوں گھر کا ماحول اچھا کر دیں۔ اگر گھر کے بڑے افراد خود جھوٹ بولیں تو بچوں سے کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ہمارے معاشرے میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ باہر کوئی آدمی آیا تو باپ بیٹے سے کہتا ہے کہ جا کر کہہ دو ابو گھر پر نہیں ہیں۔ اب جس بچے کو آپ خود سکھا دیں گے وہ ساری زندگی جھوٹ ہی بولے گا۔ تو گھر کا ماحول بڑا کام کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے گھر کا ماحول اچھا تھا اس لیے ان کا بچہ اسماعیل بھی بہت اچھا تھا۔

پھر ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خواب میں جو موقع دکھایا تھا اس کی طرف وہ مکے سے نکلے ہیں اور جہاں آج کل قربانی کی جاتی ہے وہ مکہ شہر سے چار پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے وہاں بیٹے کو لے گئے اور جیسے خواب میں نقشہ تھا اس طرح لٹا کر چھری پھیر دی۔ اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کو بچا دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی کہ شفقت غالب نہ آ جائے اور چھری چلا کے سمجھا کہ میں نے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے۔ آنکھوں سے پٹی کھولی تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے ایک جانور جنت سے لا کر ڈال دیا تھا، وہ ذبح ہو گیا تھا بیٹا پاس کھڑا مسکرا رہا تھا۔ قرآن مجید خود کہتا ہے کہ بس آپ کا امتحان تھا کہ آپ نے بیٹے کو لٹا بھی دیا اور چھری پکڑ بھی لی اور اپنی طرف سے چلا بھی دی۔ آپ نے تو بیٹے کو ہی ذبح کر دیا۔ اب یہ اللہ نے بچانا تھا وہ بچا لیا، اللہ کا کام تھا اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت تھی اور اس میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھا۔ اس دن اسماعیل علیہ السلام اگر ذبح ہو جاتے تو دنیا کا نقشہ ہی اور ہوتا۔...... باپ کا امتحان بہر حال ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام کا بھی امتحان ہو گیا بیٹے کا بھی امتحان

ہوگیا اور باپ کا بھی امتحان ہوگیا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کو پہلے سے پتہ تھا کہ یہ کچھ ہونا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ پتہ تھا کہ بیٹے نے بچ جانا ہے تو پھر امتحان کس چیز کا ہے؟ پھر تو ڈرامہ ہے۔ جیسے ڈرامے میں کسی کو گولی ماردی جاتی ہے، کسی کو لٹا کے اوپر سے گاڑی گزاردی جاتی ہے اور اس کے بعد بندہ ٹھیک ہوتا ہے۔ اگر یہ تھا تو ابراہیم علیہ السلام کی کوئی عظمت نہیں ہے۔ اگر اسماعیل علیہ السلام کو بھی پتہ تھا کہ میں نے مرنا تو ہے نہیں وہ تو ایسے ہی ڈرامہ ہے فوٹو لینا ہے بس چھری ہاتھ میں ہے اور باپ چلا رہا ہے۔ پھر اسماعیل علیہ السلام کی بھی کوئی عظمت نہیں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو پہلے پتہ نہیں تھا کہ بیٹے نے بچ جانا ہے اور اسماعیل علیہ السلام کو بھی پتہ نہیں تھا کہ میں نے بچ جانا ہے انہوں نے تو جان دے دی تھی اللہ کی راہ میں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: ''کہ اے ابراہیم! آپ نے تو خواب سچا ہی کر دیا''۔

یہ وہ امتحانات ہیں جن پر پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بہت سارے انعامات (AWARDS) دیے ہیں کہ آپ نے کمال کر دیا۔ پہلے پارے کے پندرھویں رکوع میں یہی بات آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا اور ان کو بہت سارے انعامات دیے۔ ایک انعام یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! آج کے بعد جتنے نبی آئیں گے وہ آپ کی اولاد میں سے ہی ہوں گے۔ آپ کی اولاد سے باہر کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اللہ نے آپ کو ساری دنیا کا امام بنا دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے ہیں: ایک اسماعیل علیہ السلام، یہی جس کو قربان ہونے سے اللہ نے بچالیا۔ دوسر اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام یہ سارے پیغمبر اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور ان کو انہوں نے فلسطین میں آباد کیا تھا۔ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکے میں آباد کیا تھا۔ اُس لڑی میں بے شمار پیغمبر آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (2000 سال) تک ہزاروں پیغمبر آئے۔ جبکہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً 2500 سال بعد صرف ایک پیغمبر بھیجا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ آئندہ جتنے پیغمبر آئیں گے وہ اے ابراہیم! آپ کی اولاد میں ہوں گے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔

ایک اور AWARD جو اللہ نے دیا اس کا ذکر ان آیات میں ہے جن کا اس وقت ہم ترجمہ کر رہے ہیں۔ ایک تو یہ قربانی والا واقعہ ہے۔ قربانی یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا۔ قربانی ہم بھی دیتے ہیں لیکن قرآن مجید ہی میں ہے کہ اس دن حضرت اسماعیل کی جگہ جانور ذبح ہوا تھا تو آج بھی جانور ذبح کیا جاتا ہے، اگر اس دن بیٹا ذبح ہو جاتا تو آج بیٹے ہی ذبح کرنے پڑتے، بہت مشکل ہو جاتا بہت مشکل ہو جاتا، ہر آدمی شاید کر بھی نہ سکتا۔ اور دوسری بات یہ کہ آج بھی ہم جو جانور قربانی کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ بیٹے کی قربانی کا ہی ثواب دیتے ہیں بشرطیکہ جذبہ یہ ہو کہ اللہ نے ہی کہا ہے کہ جانور ذبح کرو ہم جانور ذبح کر رہے ہیں، اے اللہ! اگر آپ کہیں تو آپ کے دین کے لیے میری اپنی جان بھی حاضر ہے میرے بچوں کی جان بھی حاضر ہے گھر بھی حاضر ہے مال بھی حاضر ہے کاروبار بھی ہر چیز حاضر ہے۔ اگر یہ جذبہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں آج بھی قربانی پر بہت بڑا اجر مل سکتا ہے۔ اور یہ جذبہ ہونا چاہئے۔ ہم گوشت کھانے کے لیے قربانی نہیں کر رہے ہم صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔ یہ قربانی کا موقع ہمارے ہاں بھی آ رہا ہے۔ ہر سال آتا ہے۔ جو نوجوان ہیں ان کو ابھی سے یہ جذبہ دل میں پالنا چاہئے کہ ہم جب قربانی کریں گے تو ایسے ہی جذبے کے ساتھ قربانی کریں گے۔

امتحان کا دوسرا حصہ جو یہاں ہم پڑھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کعبہ کی اس وقت صرف بنیادیں تھیں کمرہ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کو تعمیر کر کے کمرہ بنا دو، گھر بنا دو۔ گھر تب ہوتا ہے کہ چار دیواری ہو چھت ہو دروازہ ہو اس کو بند کیا جا سکے۔ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے وہ بیت اللہ بنا دیا۔ یہ بھی بہت بڑا اعزاز ہے۔ دیکھو! کہیں مسجد بن رہی ہو تو اس میں چندہ دینا کتنی بڑی اعزاز کی بات ہے۔ کسی نے پانچ سو دیا کسی نے پانچ ہزار، کسی نے پچاس ہزار دیا جو کسی کی حیثیت ہے اس کا اللہ کے ہاں اتنا بڑا اجر ہے کہ فرمایا: جس نے مسجد بنائی اس نے جنت میں اپنا گھر بنا دیا۔ کوئی مسجد کے لیے کام کرتا ہو اور مزدوری نہ لے یہ بڑا اعزاز ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبر تھے انھوں نے مسجد نہیں بنائی، بیت اللہ بنایا اور کوئی مزدوری نہیں لی، فی سبیل اللہ کام کر دیا۔ اس موقع پر انہوں نے کچھ دعائیں کی تھیں اللہ نے وہ بھی ساری قبول کر لیں، جیسے آپ دعائیں مانگ رہے تھے ویسے کی ویسی قبول کر لیں۔ ان آیات کا

ترجمہ کرتے ہیں۔فرمایا:

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ

اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل (باپ بیٹا دونوں علیہما السلام) کعبہ تعمیر کر رہے ہیں۔

باپ بھی پیغمبر ہے بیٹا بھی پیغمبر ہے۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں۔وہ دونوں کعبہ بنارہے تھے۔ایک مستری بنا ہوا تھا ایک مزدور بنا ہوا تھا۔انہوں نے کعبہ بناتے ہوئے یہ دعا کی ہے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ...... اے ہمارے ربّ! ہم یہ جو تیرے دین کی خدمت کر رہے ہیں کعبہ بنا رہے ہیں ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔

دیکھو یہ بہت بڑی بات ہے۔ہم بھی نیکی کے کام کرتے ہیں کبھی کسی کی مدد کر دی کبھی کوئی چیز اللہ کے راستے میں دے دی، نماز پڑھی، قرآن پڑھا لیکن طالب علم یہ بات جانتے ہیں کہ آپ نے کل کی پانچ نمازیں پڑھی لیکن آپ نے نمازیں پڑھی ہیں بس اس پر مارکنگ کتنی ہوئی، فجر کے کتنے نمبر ملے، ظہر کے، عصر کے، مغرب کے، عشا کے۔ وہ آپ کو پتہ نہیں ہے۔آدمی میٹرک کا امتحان دے اور دیتے ہی کہے کہ جی میں فرسٹ ڈویژن میں ہوں۔ بھائی جب نتیجہ نکلے گا تو پھر پتا چلے گا، پرچہ دینے سے تو پتہ نہیں چلتا۔اسی طرح نماز پڑھنے سے پتہ نہیں چلتا کہ قبول بھی ہوگئی۔قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ آپ نے جو نماز پڑھی تھی اس میں نمبر کتنے ملے ہیں، سو میں سے دس ہیں کہ بیس ہیں۔اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق دیتا ہے تو نماز پڑھنے کے بعد یہ دھوکا نہیں ہو جانا چاہیئے کہ میں تو بڑا نمازی ہوں میں تو بہت اعلیٰ کام کرتا ہوں وہ تو قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ تمہاری نماز کے نمبر کتنے لگے جس طرح امتحان کے نمبر ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن اچھے نمبر لگ گئے تو پھر فخر کرنے کی بات ہے کہ ہاں میں اچھی نمازیں پڑھتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام بھی کعبہ بنا رہے تھے تو یہی کہہ رہے تھے کہ اے اللہ ہم یہ کوشش کر رہے ہیں آپ قبول فرمالیں، اس کے اچھے نمبر لگا دینا، اس کو بہت اعلیٰ درجے میں قبول کر لینا۔ جو کام کیا جائے اس میں اللہ کے سامنے عاجزی اور انکساری ہونی چاہیئے۔اللہ اللہ ہے اور بہت بڑا ہے۔

اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُO اے اللہ تو سب کچھ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ از خود جانتا ہے کہ کس نے کیا کیا ہے۔باپ بیٹا دونوں پیغمبر دعا کر رہے ہیں،

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ   اے اللہ ہم دونوں کو اپنا فرمان بردار بنائے رکھ۔

مسلم کے معنی فرمان بردار کے ہوتے ہیں۔ پیغمبر ہو کے بھی دعا کر رہے ہیں۔ پیغمبروں کی بعض دعائیں اُمتوں کے لیے ہوتی ہیں ہمیں سکھا رہے ہیں کہ ہر وقت اللہ سے یہ دعا مانگی چاہئے کہ اے اللہ تو ہمیں اپنا فرمان بردار بنا دے۔ اور انہوں نے دعا کی ہے کہ

وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ   اور ہم دونوں کی اولاد میں سے اُمت مسلمہ بنا

اگر صرف ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے کہ میری اولاد...... تو حضرت اسحاق علیہ السلام بھی اس میں شامل ہوتے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام دونوں کر رہے ہیں تو ان دونوں کی اولاد جو مکے میں آباد تھی وہ مراد ہے۔

اُمت کے معنی ہوتے ہیں بہت سارے افراد جو ہم مقصد لوگ ہوں جن کا مشن ایک ہو۔ جیسے اس ادارے میں داخل سب بچوں کا مشن ایک ہے کہ کیڈٹ کا امتحان پاس کرنا ہے پھر ہر بچہ امتحان دے گا اور اپنی حیثیت کی مطابق اور اپنی TALENT کے مطابق فوج میں جائے گا۔ اسی طرح ہم مقصد لوگ اُمت کہلاتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی ہے کہ اے اللہ ہماری اولاد میں امت مسلمہ یعنی اپنے فرمان بردار لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا کر دے۔ ہم جو مسلمان امت کہلاتے ہیں وہ اسی دعا کے نتیجے میں کہلاتے ہیں۔

وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا   اور ہمیں حج کے طریقے سکھا۔

ہم نے گھر تو بنا دیا ہے۔ اے اللہ! اس گھر کا حج کیسے کرنا ہے؟ ہمیں طریقہ سکھا۔

وَتُبۡ عَلَيۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ O ...... اور ہماری توبہ قبول فرما، ہم پر نظر کرم فرما، بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

آگے ایک اور دعا ہے اس کو بیان کرنے سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے: ایک اسماعیل علیہ السلام، ان کی اولاد میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے اسحاق علیہ السلام، ان کی اولاد میں بے شمار پیغمبر آئے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نبی ہیں، یوسف علیہ السلام نبی ہیں، پھر یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بن گئے تھے پھر ان کے خاندان نے دو سو یا ڈھائی سو سال حکومت کی ہے پھر حالات خراب ہوئے پھر وہ فرعونوں کے غلام بنا دیے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام آئے ہیں انہوں نے

فرعونیوں کو بھی دعوت دی اور بنی اسرائیل کو آزاد کرایا پھر وہ قوم جہاد نہیں کرتی تھی، پھر بعد میں جہاد ہوا پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت بڑی حکومت قائم ہوگئی وہ پیغمبر بھی تھے بادشاہ بھی تھے، ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی عالی شان حکومت رہی جو پیغمبر بھی تھے بادشاہ بھی تھے۔ ان کی بہت لمبی تاریخ ہے تقریباً دو ہزار سال کی۔ لیکن مجموعی طور پر بنی اسرائیل نے اللہ کا کہنا نہیں مانا۔ کبھی ایک گروہ مان لیتا تھا اور باقی نہیں مانتے تھے اور اس میں سے بھی نافرمانی کے دور زیادہ ہیں۔ انہوں نے اللہ کے دین کو دنیا میں اس طرح پھیلایا نہیں جیسے پھیلانا چاہیے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی تو اس کو انہوں نے اس کو چھپا دیا اصلی کتاب چھپا دی اور اس کی جگہ خود لکھ کر شائع کر دی۔ یہ جو آج کل تورات ملتی ہے OLD-TESTAMENT یہ بعد میں انسانوں کی اپنی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ وہ خود کہتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کتاب اُتری تھی اس کو بھی چھپا دیا اور اپنی طرف سے شامل کر کے لکھ دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتری اس کو بھی چھپا دیا اور اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ اس کو پھیلانا، اس کی دعوت دینا اور جہاد کرنا تو بڑی دُور کی بات ہے جیسے مسلمانوں نے تاریخ میں کیا ہے انہوں نے کیا ہی نہیں۔ پھر اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ ہماری اولاد میں ایک بڑا پیغمبر بھیجنا اور اس کو ایک کتاب دینا اور وہ تیرے دین کو دنیا میں پھیلائے۔ کعبہ تعمیر کرتے ہوئے ان کی آخری دعا یہ ہے۔ اور انھوں نے جو کعبہ تعمیر کیا تھا انہی بنیادوں پر کعبہ آج بھی قائم ہے اور اس کی بہت ساری چیزیں اسی دور کی ہیں۔ کعبے کا فوٹو دیکھتے ہیں اس کے پاس ایک سونے کا جنگلا بنا ہوا ہے اس میں ایک پتھر رکھا ہوا ہے اس کو مقامِ ابراہیم کہتے ہیں۔ وہ 2x2 فٹ کا ایک پتھر ہے جس کی خاص بات یہ ہے اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا تھا وہ پتھر ابھی تک محفوظ ہے اور اس پتھر کی شان یہ تھی کہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام پیغمبر تھے۔ ہم کوئی مکان بناتے ہیں تو اوپر کام کرنے کے لیے بانس اور پھٹے لگا کر اوپر جانے کے لیے کوئی انتظام کرنا پڑے گا۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے وہ پتھر دیا تھا وہ اس پر کھڑے رہتے تھے اونچا جانا ہے تو پتھر اونچا چلا جاتا تھا، نیچے جانا ہے تو نیچے چلا جاتا تھا اور معجزانہ طور پر جہاں وہ چاہتے تھے کعبے کے چاروں طرف اندر باہر وہ پتھر چلا جاتا تھا اور وہ کعبہ بناتے رہتے تھے۔ نیچے ہو کر اسماعیل بیٹے سے پتھر لینا اور اوپر لے جانا

اور جا کر رکھ دینا جہاں رکھنا ہے نیچے آ کر مسالے کی تگاری لے لینا اور اوپر جا کر جہاں رکھنا ہے ڈال دینا یہ سارا کام اس پتھر نے کیا گویا کہ۔ وہ مقام ابراہیم ہے جو آج بھی محفوظ ہے۔ اسی طرح وہ جگہ جہاں حضرت ہاجرہ علیہاالسلام پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں۔ اللہ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں، بعض اوقات اللہ کو ان کی بے قراری اتنی پسند آ جاتی ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہاالسلام پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پہاڑی پر سات مرتبہ چڑھی تھیں تو آج بھی ہر حج اور عمرے کرنے والے کو بھاگ کر صفا اور مروہ پہاڑی پر اتنی ہی مرتبہ چڑھنا پڑتا ہے کہ ہماری وہ ایک نیک بندی تھی جس نے ایسا ہی کیا تھا تو تم اگر حج کو آئے ہو تو تمہیں بھی ایسا ہی کرنا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندوں کے کام ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ ان کو امر کر دیتا ہے، قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیتا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی: رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ

اے ربّ ہمارے! ہمارے دونوں کی اولاد میں ایک بڑا پیغمبر بھیجنا

یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ

پھر گویا کہ ان کو ایک کتاب دینا وہ لوگوں کو تیری کتاب کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے گا

وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وہ پیغمبر لوگوں کو شریعت سکھائے گا

اللہ کا یہ حکم ہے، یہ حکم ہے، یہ حکم ہے۔ کتاب کے معنی ہوتے ہیں لکھ لینا۔ جو چیز لکھ لی جائے وہ پکی ہو جاتی ہے، تحریر ہو گئی، فرمایا شریعت جو لکھی ہوئی ہے قرآن مجید میں وہ سکھائے گا

وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ اور حکمت سکھائے گا اور ان کا تزکیہ کرے گا

ایک ہوتا ہے کوئی کام کرنا، ایک ہے اس کی وجہ سمجھانا کہ یہ کام اس لیے کرایا جا رہا ہے کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ چھوٹے بچوں کو ابتدائی کلاسوں میں ہم کچھ باتیں ایسے ہی سکھا دیتے ہیں۔ وہی بچے بڑی عمر میں جب اعلیٰ تعلیم میں جاتے ہیں تو وہاں سیکھتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا تھی۔ پانچویں کے بچے کو بتا دیا جاتا ہے کہ سکھر میں کھجور پیدا ہوتی ہے اور ملتان کے علاقے میں آم پیدا ہوتا ہے یہ نہیں بتایا جاتا کہ کیوں۔ لیکن جب بچہ بڑا ہو کر ایم اے ایگری کلچر کرتا ہے وہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کھجور پیدا کرنے کے لیے جو ماحول چاہئے وہ صرف سکھر میں ہے۔ جھنگ میں کھجوریں بو دیں گے تو اتنی اچھی نہیں ہوں گی جتنی سکھر میں ہوتی ہیں اور سوات میں کھجوریں بو دیں

گے تو نہیں ہوں گی۔ اور اسی طرح ملتان کا موسم ایسا ہے کہ وہاں آم ہی ہوسکتا ہے سیالکوٹ یا مظفر آباد میں آم لگا دیں گے تو وہاں نہیں ہوگا۔ تو وہاں کا موسم ہی ایسا ہے کہ وہاں یہی چیز پیدا ہوسکتی ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے جو بڑی عمر میں سمجھ آتی ہے۔ دین کے ہر حکم کی بھی کوئی حکمت ہوتی ہے۔ ہم روزے کیوں رکھتے ہیں، ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں، ہم وضو کیوں کرتے ہیں، ہم یہ کام کیوں کرتے ہیں۔ ان سب چیزوں کی حکمت قرآن مجید میں موجود ہے۔ جب آدمی بڑا ہو کر قرآن پڑھتا ہے، عربی سیکھتا ہے، ترجمہ سیکھتا ہے تو یہ باتیں بھی سمجھ میں آجاتی ہیں۔ چھوٹی عمر میں تو کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھنی ہے۔ بڑی عمر میں پتا چلتا ہے کہ یہ اگر وضو کا حکم دیا گیا ہے تو وضو واقعی ضروری ہے اس کے بغیر نماز کیوں نہیں ہوسکتی۔ یہ حکمت ہے۔

اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمِ O بے شک تو زبردست اور حکمت والا ہے

اے اللہ تجھے کسی سے منظوری لینے کی ضرورت نہیں، پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ چھٹی لینی ہو تو سٹوڈنٹ درخواست لکھتے ہیں استاد سے منظوری لینی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر فیصلہ کرلے کہ یہ کام کرنا ہے تو اس کو کسی سے SANCTION لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ اَلۡعَزِيۡز کے یہی معنی ہیں۔ اور اللہ تو حکمتوں والا ہے ایسا کردے تو تیرے لیے کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے۔

یہ دعا بھی اللہ نے من وعن قبول کرلی اور یہ آیات پہلے پارے کے پندرھویں رکوع میں ہیں، اس سے تین رکوع بعد وہ آیت ہے جس میں اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی وہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن لے کر آگئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی اس میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے میں 2500 سال کا فرق ہے۔ ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مانگی اور اس دعا کے قبول ہونے میں 2500 سال لگ گئے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ ذرا غور کرو کہ ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آج سے 4000 سال پہلے کا زمانہ ہے، آج ہم 2013ء میں بیٹھے ہیں یہ سن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے تو یہ سمجھو کہ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی 2000 سال پہلے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم 571ء میں پیدا ہوئے اور 610ء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی۔ تو چھ صدیاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کے 2500 سال بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے، وہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی اس دعا کا نتیجہ تھے جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ 27ویں پارے میں 57 نمبر سورۃ حدید ہے، جس میں فرمایا ہے کہ ہم پیغمبر پہلے بھیجتے رہے ہیں اب نوح علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہم نے طے کر دیا اب جتنے پیغمبر آئیں گے وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے۔(وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ)۔ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں جتنے پیغمبر آئے ان کے ماننے والے اہل ثابت نہیں ہوئے۔قرآن مجید میں ان کا تذکرہ ہے کہ وہ مانتے نہیں تھے، عمل نہیں کرتے تھے۔قرآن مجید میں ان کو بہت برا بھلا کہا ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی ہے وہ کہنا نہیں مانتے تھے، جس پیغمبر کے اُمتی ہیں ان کے سامنے نہیں مانتے تھے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے ہیں وہ کہہ رہے ہیں جہاد کرو وہ کہتے ہیں نہیں کرنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کرائی گئی۔ یہ جولڑی تھی اس نے کام نہیں کیا اور اہل ثابت نہیں ہوئے۔دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں محمد ﷺ ہیں۔ان کو اللہ نے قرآن پاک دیا تھا اور محمد ﷺ کے صحابہ نے حضور کا ساتھ دیا، دین غالب ہو گیا پھر خلافت کا نظام آیا۔پھر مسلمانوں نے دنیا میں جن علاقوں کو فتح کیا آج تک وہاں مسلمان موجود ہیں۔وہ مشن محمد ﷺ کے ماننے والوں نے پورا کیا۔

آج جو بات پلے باندھ کر جانا چاہیے وہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وہ وراثت آج میرے اور آپ کے کاندھے پر ہے۔محمد ﷺ کے ماننے والے آج ہم ہیں۔پچھلی نسل یعنی ہم، نوجوانوں کے حوالے کر رہے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کا مشن اب تمہیں پورا کرنا ہے آج جو نوجوان ہیں بیس سال بعد وہ بڑے بڑے اہم عہدوں پر ہوں گے کوئی منسٹر ہوگا کوئی وفاقی سیکرٹری ہوگا کوئی ایم این اے ہوگا کوئی ایم پی اے ہوگا، کوئی کہیں ہوگا، کوئی کہیں ہوگا۔تو ہم پر جو ذمہ داری تھی ہم کتنی ادا کر سکے وہ اللہ جانے اور اللہ تعالیٰ غلطیوں سے درگزر فرمائے۔اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کے دین کو، محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کو پھیلانا ہے اور اس کے لیے قربانی کی ضرورت ہے وقت کی قربانی، پیسے کی قربانی، رائے کی قربانی، اپنی قربانی، کیرئیر کی قربانی، ہر چیز کی قربانی درکار ہے اور اسی لیے ہر سال قربانی کی جاتی ہے کہ مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ قربانی کرنی چاہیے اور یہ قربانی دے کر ہمیں محمد ﷺ کے دین کو زندہ بھی رکھنا ہے اور اس کو آگے بھی پھیلانا ہے۔یہ ہے

اس قربانی کی عید کا اور قربانی کی حقیقت کا پیغام جو آج میرے اور آپ کے سامنے ہے۔

آج کا میٹرک /انٹر کا طالب علم عموماً سترہ سال کا ہوتا ہے لیکن آج کا سترہ سال کا بچہ کوئی مہم لیڈ نہیں کر سکتا اور سب کو پتہ ہے کہ ہندوستان میں جو پہلا مسلمان فاتح آیا ہے وہ کون ہے؟ محمد بن قاسم ؒ۔ اس وقت اس کی عمر کل سترہ سال تھی اور بارہ ہزار کا لشکر لے کر دشمن کے علاقے میں آیا تھا اور علاقہ فتح کر لیا تھا پورا سندھ فتح کر لیا ملتان تک فتح کر لیا اُس وقت یہ جھنگ کا شہر تو تھا نہیں، شورکوٹ تھا وہاں تک وہ لازماً آیا ہے۔ پہلی صدی یعنی 93ھ کی بات ہے (711ء)۔ اس کے ساتھ بہت سارے صحابہ کرام ؓ بھی تھے۔ صحابہ نام کی بستیاں کئی جگہ پر ہیں، رحیم یار خان میں ہے، کراچی میں ایک صحابی ؓ کا مزار ہے۔ یہاں پاس ایک موضع صحابہ بھی ہے۔ یہ سارا اسی کی یادگار ہے اور وہ سترہ سال کی عمر میں ایک فرشتہ صفت انسان تھا محمد بن قاسم۔ ملتان میں اس کا دار الحکومت تھا جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو بہت سارے ہندو مسلمان ہو گئے۔ بہت سارے نہیں بھی ہوئے لیکن جو ہندو مسلمان نہیں ہوئے وہ چونکہ بت پرست قوم تھی انہوں نے محمد بن قاسم کی مورتیاں اور بت بنائے ہیں اور ان کو پوجتے رہے کہ یہ نوجوان نوجوانی میں اتنا برائی سے بچ رہا ہے اور دین پر چل رہا ہے یہ انسان نہیں، دیوتا ہے۔ تو ہمارے اسلاف تو ایسے تھے تو ہمارے کاندھوں پر بہت بڑا بوجھ ہے ہم مسلمان دنیا کی اور قوموں کی طرح قوم نہیں ہیں ہم اپنے لیے زندہ نہیں ہیں ہم تو محمد ﷺ کے مشن کو زندہ رکھنے کے لیے زندہ ہیں ہمارے کاندھوں پر بوجھ ہے ہم ابراہیم علیہ السلام کی اس وراثت کے ذمہ دار ہیں ہم اسماعیل علیہ السلام کی وراثت کے ذمہ دار ہیں ہم اپنی اسلاف کی وراثت کے ذمہ دار ہیں ہمارے کاندھوں پر ایک بہت بڑا مشن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے ان باتوں کی سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے — وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج — یہ سب باقی ہیں، تو باقی نہیں ہے

علامہ اقبال

فکرِ اقبال کی روشنی میں

علم کے ذرائع

THE SOURCES OF KNOWLEDGE

ڈاکٹر طالب حسین سیال

اسلام آباد

23/اپریل 2017ء، بروز اتوار کو قرآن اکیڈمی جھنگ کے آڈیٹوریم میں، ایک اہم سیمینار منعقد کیا گیا، جس کا عنوان تھا: ''فکر اقبال کی روشنی میں (21ویں صدی میں ایک جدید اسلامی نظریاتی فلاحی عوامی ریاست) پاکستان کے نظامِ تعلیم کے خدوخال''۔ اس سیمینار میں ملک کے مایہ ناز اہل علم حضرات نے تقاریر کی تھیں۔ ارادہ ہے کہ ان کو افادۂ عام کے لیے حکمت بالغہ کے صفحات میں شائع کر دیا جائے۔ واللّٰہ المُوفّق والمُستعان۔ ان میں سے ایک تقریر ذیل کی سطور میں درج ہے۔ اس کے مقرر جناب ڈاکٹر طالب حسین سیال صاحب، ڈائریکٹر اقبال بین الاقوامی ادارہ برائے تحقیق و مکالمہ، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ہیں۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ ربّ العالمین، والصَّلاۃ والسَّلام علٰی سیّدِالانبیاء والمرسلین وعلٰی الہ واصحابہ اجمعین

گرامی منزلت صدر محفل، مہمانانِ گرامی، انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب، قابل احترام سکالرز، اساتذہ اور طلباء۔

علامہ اقبال نے ایک جگہ حدیث رسول نقل کی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت کے لیے ساری زمین کو مسجد بنایا گیا ہے''۔ اس سے علامہ اقبال یہ استدلال کرتے ہیں کہ ساری زمین مقدس ہے اور مادہ اور روح میں کوئی دُوئی نہیں ہے، دین اور دنیا کا تصور غلط

ہے، دنیا وآخرت کا تصور صحیح ہے اور زندگی میں وحدت ہے۔ زندگی ایک ہے، اس میں تسلسل ہے اور یہ زندگی جمادات سے لے کر نباتات، حیوانات اور انسان تک پہنچتی ہے اور انہوں نے ابن مسکوے اور ابن خلدون کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ''میری اُمت کے لیے ساری زمین کو مسجد بنایا گیا ہے'' تو اس کا مطلب ہے کہ مادہ بھی مقدس ہے۔ مادے اور روح میں کوئی مغایرت نہیں ہے۔ ہم جو بھی عمل کرتے ہیں وہ بھی عبادت ہے۔ ہم ہل چلاتے ہیں، ہم طالب علم ہیں، دفتر میں کام کرتے ہیں، معلم ہیں، حکومتی اہلکار ہیں، جو بھی شخص اپنے فرائض منصبی کو دیانت داری سے سرانجام دیتا ہے وہ عبادت کر رہا ہے۔ علامہ اقبال نے یہ ایک تصور دیا ہے وحدت کا تصور۔ چونکہ طلباء بھی موجود ہیں سکالرز بھی موجود ہیں، تھوڑا سا فلسفے کی بات بھی ہوگی لیکن میں اس کو عام فہم زبان میں بیان کروں گا۔

ے کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشتر سے تو جو چھیڑے
یقیں ہے مجھ کو گرے رگِ گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

ہماری پھولوں سے بھی رشتہ داری ہے۔ ذرا اس پر غور کریں۔ جب میں نے گزشتہ رات دوسرا شعر ایک میڈیکل کالج میں پڑھا وہ شعر بڑا عجیب وغریب شعر ہے:

ے حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

جب میں نے یہ شعر پڑھا تو پاکستان کا بہت بڑا سائنسدان بیٹھا ہوا تھا، وہ اپنی سیٹ سے اچھل پڑا۔ اس نے کہا کہ علامہ اقبال نے اس دور میں ایٹم کی حقیقت بیان کر دی۔ یہ سورج بھی ایک ایٹم ہے ہر روز ہائیڈروجن بم کا دھماکا ہو رہا ہے اور دھماکے ہو رہے ہیں۔ ذرّہ کا ترجمہ انگریزی میں ایٹم ہے۔ لہو خورشید کا ٹپکے جو ذرّے کا دل چیریں۔ تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ پر یہ سب الہاماتِ الٰہیہ تھے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ ہماری زندگی یہی دنیا کی زندگی نہیں ہے اور جو ان کا

RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM

ہے اس کو اگر آپ غور سے پڑھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ انھوں نے ہمارے نظامِ تعلیم کی بنیاد کیا فراہم کی ہے۔ اس کی بنیاد ہے توحید اور رسالت۔ اور انہوں نے مغرب کے مفکرین کے خیالات

کی تردید کی ہے۔...... وہ مغرب کا کیا فلسفہ تھا؟ جو اُن کی تعلیم کی بنیاد ہے۔ میں برٹرینڈ رسل کی ایک تحریر کا اُردو ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ ہونہار طلبہ بھی موجود ہیں ذرا غور سے سنیے۔ جو کیمسٹری، فزکس، طبعیات کا علم رکھتا ہے وہ اس کو بہتر انداز سے سمجھے گا۔ برٹرینڈ رسل کہتے ہیں کہ

> ''انسان جن اسباب کی پیداوار ہے اس کا کوئی پہلے سے سوچا سمجھا منصوبہ نہیں ہے۔ انسان کی ابتدا، اس کی نشوونما، اس کی تمنائیں، اس کے اندیشے، اس کی محبت، اس کے عقائد سب ایٹمی اتفاقی ترتیب کا نتیجہ ہے۔''

یہ جب ذرّات آپس میں ملے ہیں تو زندگی خود بخود بن گئی ہے یہ انسان جن اسباب سے پیدا ہوا ہے اس کا کوئی منصوبہ، کوئی اس کی حکمت نہیں ہے۔ اور آگے کہتے ہیں کہ

> ''انسان کی آخری منزل قبر ہے اور پھر کوئی چیز بھی اس کو زندگی عطا نہیں کر سکتی۔ بہترین احساسات، عبقریت کے روشن کارنامے نظام شمسی کے ساتھ فنا ہونے والی چیزیں ہیں۔''

یہ ہے وہ نظریہ جس پر یورپ کی تعلیم کا انحصار ہے انکارِ خدا اور انکارِ منصوبۂ کائنات۔ اور اقبال کہتے ہیں کہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ہم نے یہ کائنات کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کی، اس کا ایک مقصد ہے، اس کا ایک منصوبہ ہے۔ علامہ اقبال کی فکر کے مطابق ہم نظامِ تعلیم وضع کرتے ہیں تو سب سے پہلے مغرب کے ان الحادی تصورات کو مٹانا ہوگا جو صرف اسی زندگی کو آخری منزل سمجھتا ہے۔ ڈارون نے بھی یہ کہا تھا کہ انسان کی زندگی کی یہی آخری منزل ہے ارتقاء کی، جس پر اب ہم پہنچ گئے ہیں لیکن علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور انہوں نے دیگر مسلم مفکرین کا بھی حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا جو اصل کیریئر ہے وہ تو موت کے بعد شروع ہوگا۔ ہماری زندگی کا یہ اختتام نہیں ہے۔ ذرا سوچیے تو سہی! کیا میں مرنے کے بعد ختم ہو جاؤں گا؟ یہ ساری میری قرنہا قرن کی جدوجہد، یہ سارے میرے اعمال، اگر آپ اس پر غور کریں تو انسان پریشان ہو جاتا ہے، مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن اقبال ایک اُمید افزا پیغام دیتے ہیں کہ جو فصل آپ اس زندگی میں بوتے رہے ہیں دوسری زندگی میں اس کو کاٹیں گے اور آپ کا اصل کیریئر اس کے بعد شروع ہوگا اور اصل آپ کی خلافت کے مقاصد وہاں پورے ہوں گے۔ علامہ اقبال کے مطابق

جنت کوئی بے کاروں کی جگہ نہیں ہے، عیش وعشرت کی جگہ نہیں ہے، وہاں بھی ہم نے بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ یہ صرف اقبال نے نہیں کہا، مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے آپ کے لئے شاید یہ ایک حیرت انگیز اور بڑی اُمید افزا بات ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس زمین پر جو ہمیں خلافت ملی ہے یہ آزمائشی خلافت ہے کیونکہ ہمارے آدم سے غلطی ہوگئی تھی وہ امتحان پر پورے نہیں اترے تو اللہ تعالیٰ نے پوری خلافت عطا کرنے کا منصوبہ معطل کر دیا اور اس کو TRAIL BASIS پر خلافت دی ہے، کہ چلو دنیا میں جاؤ اپنے آپ کو ثابت کرو، اپنی اہلیت کو ثابت کرو، اپنی صلاحیت کو ثابت کرو، اپنی قوتوں کا کھوج لگاؤ، اپنی توانائیوں کو مضبوط کرو، اپنی خودی کو مستحکم کرو اور اس کے بعد جنت میں جب آپ جائیں گے تو پھر آپ کو پوری خلافت ملے گی اب یہ ہمیں آزمائشی خلافت ملی ہے ہم پہاڑوں کے غاروں سے نکلے اب کہاں بالا خانوں تک پہنچ گئے پرندوں کے گھونسلے اسی طرح درختوں پر ہیں جس طرح ہوتے تھے۔ ع ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں۔

اب اس آزمائشی خلافت میں انسان نے کتنی ترقی کر لی۔ لیکن جو حقیقی خلافت ملے گی اس میں پتہ نہیں ہمارا تصرف کتنا ہوگا۔ جو کچھ کہیں گے حاضر ہو جائے گا۔ وہاں پتہ نہیں ہم نے کیا کارنامے سرانجام دینے ہیں۔ اقبال کہتا ہے کہ وہاں انسان خدا کی نوع بہ نوع تجلیات میں زندگی گزارے گا۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ وہ تو ختم ہونے والی چیز ہی نہیں ہے۔

یہ نظریہ جو اسلام نے پیش کیا ہے تحرّک کا، مومنٹ کا، آگے چلنے کا، سعی و عمل کا، یہ ہماری تعلیم کا پہلا جزو ہونا چاہیے۔ اس میں زندگی ہے، امید ہے، رجائیت ہے، نشاط ہے، آگے بڑھنے کا خیال ہے۔ علامہ اقبال نے ایک لیکچر میں یہ کہا، غور سے سنئے گا کہ:

THE KNOWLEDGE OF NATURE IS THE KNOWLEDGE OF GOD's BEHAVIOR.

KNOWLEDGE OF NATURE (فطرت کا علم) یہ سنت الٰہیہ کا علم ہے۔ جب آپ فطرت میں غور وفکر کرتے ہیں، زمین وآسمان پر غور کرتے ہیں، سیب کو نیچے گرتا ہوا دیکھتے ہیں تو نیوٹن کلیات دریافت کرتا ہے۔ فطرت کو آپ مسخر کرتے ہیں۔ یہ بھی خلیفہ کی شان ہے۔ خلافت کا یہ حصہ ہے کہ ہم فطرت کو مسخر کرتے ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے BEHAVIOR کا علم ہے۔ اور آگے وہ کہتے ہیں کہ

THE TRUTH IS THAT ALL SEARCH FOR KNOWLEDGE IS ESSENTIALLY A FORM OF PRAYER.

ہر قسم کی علمی تحقیق اور ریسرچ درحقیقت عبادت کی ایک شکل ہے۔

THE SCIENTIFIC OBSERVER OF NATURE IS A KIND OF MYSTIC SEEKER IN THE ACT OF PRAYER

جو کوئی شخص فطرت کی تلاش کرتا ہے سائنسدان بن کے، ماہر حیاتیات بن کے، کیمسٹ بن کے وہ دراصل خدا کا قرب تلاش کر رہا ہوتا ہے۔

نیت پر بات ختم ہوتی ہے۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں تو اس کا ایک علم کا ذریعہ NATURE(SOURCE OF KNOWLEDGE) ہے۔

چونکہ آپ علامہ اقبال کے خیالات کے مطابق 21ویں صدی میں نظامِ تعلیم وضع کر رہے ہیں۔ اقبال کہتا ہے کہ یورپ نے اس لئے ترقی کی کہ انہوں نے INDUCTIVE INTELLECT کو استعمال کیا۔ INDUCTIVE INTELLECT کا مطلب ہے کہ جو علم حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ ان کے دل ودماغ ہیں وہ سوچتے نہیں، کان ہیں سنتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے نہیں اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وہ تو چوپاؤں کی مانند ہیں بلکہ اس سے بدتر ہیں۔ تو علامہ اقبال یہ کہتے ہیں کہ

THE MUSLIMS WERE THE PLANER OF INDUCTIVE METHOD

کہ مسلمانوں نے دنیا کی توجہ اس طرف راغب کی۔ یونانی تو صرف انسان کے بارے میں سوچتے تھے۔ لیکن قرآن نے کہا کہ چیونٹی کی بھی اہمیت ہے سورۃ نمل ہے۔ قرآن نے کہیں ہدہد کا ذکر کیا۔ قرآن نے اونٹ کا ذکر کیا کہ اونٹ کی طرف دیکھو کہ ہم نے اس کو کیسے پیدا کیا۔ زمین کی طرف دیکھو کہ ہم نے اسے کیسے بچھایا اور پہاڑوں کی طرف دیکھو کہ ہم نے انہیں کیسے نصب کیا۔ تو اقبال کہتے ہیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ.......... لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ O

یہ قرآن ہمیں مزید دعوت دے رہا ہے کہ ہم فطرت کو مسخر کر کے قوت اور توانائی حاصل کریں جو سپین میں ہم نے حاصل کی تھی اور سپین سے یورپ نے بھی علم حاصل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ

EUROPEAN CULTURE EXTENSIONS OF MUSLIMS

CULTURE

کون سا کلچر؟ وہ ضاحت کرتے ہیں۔ رقاصی کا نہیں، شراب پینے کا نہیں، گانے کا نہیں، ننگی پنڈلیوں کا نہیں، لاطینی رسم الخط کا نہیں، وہ کلچر ہے علم وفن کا۔تو ہمیں جو نظامِ تعلیم وضع کرنا ہے اس میں ایک SOURCE OF KNOWLEDGE ہے NATURE۔ہم نے سائنس میں پوری دنیا سے سیکھنا ہے، ہم نے پہلے ان کو سکھایا۔آج جو ہم محکوم، غلام، غریب اور کمزور ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم بہت کمزور ہیں۔

دوسرا جو SOURCE OF KNOWLEDGE انھوں نے بتایا وہ HISTORY (تاریخ) ہے۔جس کی طرف انجینئر مختار فاروقی صاحب نے روشنی ڈالی کہ ہمارے آباء واجداد کی ایک تاریخ ہے، ہمارا ایک GLORIOUS PAST ہے۔ میں اُس بیانیہ کی طرف نہیں جارہا کہ ہم صرف یہی بیان کرتے رہیں کہ ہم بہت بڑی عظیم قوم تھے اور ہم اپنے اعمال کی طرف توجہ نہ دیں۔لیکن علامہ اقبال ایک جگہ کہتے ہیں:

''مجھے رہ رہ کر یہ رنج دہ تجربہ ہوا ہے کہ مسلمان طالب علم جو اپنی قوم کے عمرانی، اخلاقی اور سیاسی تصورات سے نابلد ہیں روحانی طور پر بہ منزلہ ایک بے جان لاش کے ہیں۔''

کہ مسلمان طالب علم جو اپنی عمرانی، تاریخی اور اپنی اس مذہبی وراثت سے محروم ہیں وہ ایک بے جان لاش کی طرح ہے۔اور وہ کہتے ہیں کہ اگر 20 سال تک یہی عالم رہا تو پھر مسلم ملت ایسی ہوجائے گی کہ ہماری جماعت کے جسم سے روحانی یا مذہبی روح بالکل نکل جائے گی۔انہوں نے اس وقت اس طرف اشارہ کیا تھا کہ ہمیں تاریخ سے سیکھنا ہے ہماری تاریخ بہت شاندار ہے۔ وقت کی قلّت کی وجہ سے میں روشنی نہیں ڈالنا چاہتا۔آپ تاریخ پڑھیں۔جب سلیمان کی ترکی میں MYSTIFICATION کی حکومت تھی، افریقہ، ایشیا اور یورپ پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی، امریکہ اس زمانے میں مسلمانوں کا باج گزار تھا۔تو یہ ہماری تاریخ بڑی روشن ہے۔ کچھ خامیاں بھی تھیں، کوتاہیاں بھی تھیں، فروگزاشتیں بھی تھیں لیکن عسکری لحاظ سے اور سیاسی لحاظ سے ہم پوری دنیا کے خالق تھے۔

تیسرا اہم SOURCE OF KNOWLEDGE جو وہ قرار دیتے ہیں وہ ہے

مذہب، وحی الٰہی۔ وہ کہتے ہیں کہ یورپ کی دنیاINNER EXPERIENCE کو یا وحی الٰہی کو علم کا ذریعہ قرار نہیں دیتی۔ فلاسفرز اس کو اساطیر الاوّلین کہتے ہیں۔ لیکن علامہ اقبال کہتے ہیں کہ قرآن جو روشنی عطا کرتا ہے اور وحی الٰہی جو روشنی عطا کرتی ہے جو قوم اس سے محروم ہو جائے وہ قوم کبھی خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتی۔ اور وہ ترقی نہیں ہے جو قرآن سے دوری پر مبنی ہو

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اگر تو مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہتا ہے تو قرآن کی تعلیم کے بغیر یہ زندگی نہیں گزر سکتی۔

علامہ اقبال علی الصبح خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ پھر جس وقت شعر کی آمد ہوتی تھی تو علی بخش کو کہتے تھے جاؤ کاغذ اور قلم لے آؤ۔ وہ کہتے ہیں شاعری میں (میں فارسی سے آپ کو بوجھل نہیں کرنا چاہتا) کہ اگر میرا کوئی شعر، میری کوئی بات، قرآن مجید کے خلاف ہو تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ سب چیزیں قرآن کی ہیں جو میں نے بیان کی ہیں۔ مثنوی مولوی معنوی ــــ ہست قرآن درزبان پہلوی۔ مولانا رومی کے بھی اسی لئے مرید ہیں کہ ان کی جو مثنوی ہے وہ بھی قرآن مجید کی تفسیر ہے۔

تو جو فلسفہ اقبال نے پیش کیا کہ دین اور دنیا میں تفریق نہیں ہے، مادہ اور روح میں ثنویت نہیں ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے ایک ہی قسم کے ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ ایک طرف مدارس ہیں، ایک طرف ہمارے ہاں ماڈل کالجز ہیں، انگلش میڈیم سکولز ہیں ایک طرف دوسرے گورنمنٹ کالجز ہیں۔ نہیں۔ یہ اقبال کے فلسفے کے خلاف ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے ایک ہوں............ جو ہمیں اسلام بھی سکھائیں اور رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی تعلیم بھی دیں اور سائنس اور ٹیکنالوجی اور جدید ضروریات کے مطابق جو علم ہے وہ بھی ہمیں سکھائیں۔ جب ادارے تین اور چار مختلف پائے جاتے ہیں تو پھر بتایئے قوم کیسے ایک تیار ہوگی؟ قوم کا ایک ذہن کیسے بنے گا؟ ہم نے خود قوم کو بانٹ دیا ہے مختلف اداروں میں بانٹ دیا ہے ان کی ایک دوسرے سے کمیونی کیشن نہیں ہے۔ مدارس کے لوگ، کالجوں کے لوگ، یونیورسٹیوں کے لوگ ان میں ایک کمیونی کیشن نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے ایک اور بڑی اچھی بات کہی ہے کہ معلم کا بہت بڑا کردار ہے۔ میں یہ بات علی وجہ البصیرۃ کہہ رہا ہوں کہ ہمارے تعلیمی انحطاط میں سب سے زیادہ حصہ اساتذہ کا ہے، معمارانِ قوم کا ہے۔ پہلے زمانے میں مدارس کے اساتذہ بھی تقویٰ، دیانت، صداقت، انکساری اور تواضع کا نمونہ ہوتے تھے۔ پہلے اساتذہ کرام میں فیضان نظر تھا اور وہ بچوں کا کردار بناتے تھے کردار سازی کرتے تھے۔ آج یونیورسٹیوں میں بربریت ہے۔ آج دانش کدوں میں ہمارے اندر مذہبی برتاؤ والا انسان پیدا نہیں ہو رہا۔ رحمت للعالمین محمد رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے پیدا نہیں ہو رہے۔ جو کہ غیروں کو بھی دعا دیتے تھے، طائف کے میدان میں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو تباہ مت کیجیے۔ احترامِ آدمیّت انسانوں کا بڑا مقام تھا، محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ درس دیا۔ تو اقبال بڑے مایوس تھے مدرسے کے نظام سے بھی اور سکولوں اور کالجوں کے نظام سے بھی۔ انہوں نے ایک شعر کہا تھا جو میں آپ کو پڑھ کے سناتا ہوں:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی ، نہ محبت ، نہ معرفت ، نہ نگاہ!

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی، تو دلبری کیا ہے

نگاہ جس پر پڑی مومن اسے کر دیا۔ وہ نگاہ والے اساتذہ نہیں رہے جو نگاہوں سے دل کی کایا پلٹ دیتے تھے۔ آج تو بس کلاس لی اور چلے گئے۔ معلومات دینے والے، انفارمیشن دینے والے ہیں، فیض دینے والے نہیں ہیں۔ فیض رساں اساتذہ رخصت ہو گئے ہیں۔ تو علامہ اقبال کے استاد میر حسن تھے، جب اقبال کو سر کا خطاب ملنے لگا تو انہوں نے کہا کہ جب تک میرے استاد کو کوئی خطاب نہیں ملے گا میں خطاب قبول نہیں کروں گا۔ انگریزی حکومت نے کہا: آپ کی تو کتابیں ہیں، آپ شاعر ہیں، معروف ہیں، یورپ تک آپ کی شہرت ہے۔ آپ کے استاد کی کوئی تصنیف نہیں ہے کوئی کتاب نہیں ہے ہم اسے کیسے کوئی خطاب (TITLE) دیں۔ اقبال نے کہا کہ میر حسن کی تصنیف اقبال ہے، میرے استاد نے مجھے بنایا ہے تو حکومت نے ان کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔

تو اگر آج ہم 21 ویں صدی میں اقبال کی فکر کے مطابق نظامِ تعلیم بنانا چاہتے ہیں تو یہ

دنیا میں جو تعلیمی اداروں کا انتشار ہے، اس کو ختم کر کے اتحاد پیدا کریں اس سے گروہ بندی پیدا ہو رہی ہے

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

آج ہمارے مذہبی تعلیمی ادارے بھی مسالک کے لوگ پیدا کر رہے ہیں ہر مسلک کا الگ مدرسہ ہے اور وہ مسلک کی تعلیم دے رہا ہے۔ تو اس کو ختم کرنا ہوگا۔ آخر میں، میں اقبال کے ان اشعار پر خاتمہ کرتا ہوں:

جوانوں کو مری آہِ سحر دے — پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے — مرا نورِ بصیرت عام کر دے

اب اقبال کا نور بصیرت عام ہوگا تو پھر کچھ ہوگا۔

میں شکر گزار ہوں انجینئر مختار فاروقی صاحب کا، ان کا حکمت بالغہ ان سے بھی زیادہ شہرت رکھتا ہے اور کئی لوگ مجھے ٹیلی فون کرتے ہیں کہ حکمت بالغہ کی کاپیاں ہمیں منگوا کر دیجئے، انھوں نے یہ بھی اہتمام کیا اور یہ مجھے بھی کافی اُکساتے رہتے ہیں کہ اقبال کے لئے آپ بھی کوئی کام شروع کریں اور جھنگ میں آپ آئیں، میں جھنگ میں آتا ہوں لیکن یہ کہتے ہیں کہ جھنگ میں مستقل رہائش اختیار کریں۔ یہ ان کا جذبہ ہے یہ ان کا درد دل ہے۔ اور میں یہ دعا پڑھ کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ یہ دعا پاکستان کے بارے میں ہے

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پہ اترے — وہ فصل گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے صدیوں — یہاں خزاں کو بھی گذرنے کی مجال نہ ہو
میری دعا ہے کہ میرے ایک بھی ہم وطن کیلئے — حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو
ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال — کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو
یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے — اور ایسا سبز جس کی کوئی مثال نہ ہو

بدترین مذہبی گلوبل دہشت گردی

پروفیسر رشید احمد انگوی

دین اسلام عقیدۂ توحید ورسالت کے ساتھ قیامت کے بارے میں انسانوں کو روز اوّل سے ہدایت اور ایمان کی راہ دکھاتا ہے۔ انسانِ اوّل آدم علیہ السلام کو نبوت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی اُمتوں کو وقت کے حالات کی مناسبت سے ذیلی شرعی تعلیمات میں تنوّع موجود رہا۔ مثلاً ہر نبی کو اپنے مخاطبین کی زبان میں دعوت وکتاب عطا کی گئی۔ اہل کتاب کی اصطلاح سابقہ آسمانی کتابوں کی مناسبت سے استعمال کی جاتی ہے۔ تورات کے مخاطب یہود اور انجیل کے مخاطب نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ قرآن پاک میں آخری آسمانی کتابِ ہدایت کی حیثیت میں سابقہ اُمتوں کے احوال پر بہت کچھ روشنی ڈالی گئی ہے جسے اُمتوں کے بارے میں معلومات کا اہم ترین سوفی صد مبنی برحق ذریعہ ماننا ایمان کا تقاضا ہے۔ مذاہب کی تاریخ میں باہم تکذیب اور ضد وہٹ دھرمی کا سلسلہ یہود سے شروع ہوا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور کتاب ودعوت کو ماننے سے انکار کا راستہ اختیار کیا اور ان کے خلاف پھانسی تک کی سازش کی مگر اللہ کریم نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا اور سازشیوں کو ایک شبہے میں ڈال دیا گیا۔ بعد ازاں متعصب عیسائیوں نے موسیٰ علیہ السلام اور تورات کو ماننے سے انکار کردیا اور خود ساختہ طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے ڈالا۔ آخر کار جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی تو اہل کتاب کے دونوں گروہوں میں سے کئی اہل علم وفضل اور صاحب تقویٰ

سچے وکھرے انسان رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور اقرار کیا کہ تورات وانجیل میں آپ کی تشریف آوری کی خوشخبری اور بہت سی علامات بتائی گئیں تھی اوران کو ہدایت قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوئی اورقرآن پاک میں انہیں دوہری سعادت کی خوشخبری دی گئی تاہم بہت سے شریراورمنافقین نے خودرسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے ضد، ہٹ دھرمی، شرارت، خباثت اورشیطنت کے رویےّ کی ایک تاریخ رقم کی۔قرآن پاک میں ان کی ایسی سرگرمیوں کی حقیقت سے آگہی بخشی گئی ہے۔تاریخ کا پہیہ چلتا رہا،صلیبی جنگوں کی تاریخ کوئی نئی بات نہیں،مسجد ابا صوفیہ اورمسجد قرطبہ کا ماضی وحال صدیوں سے اربابِ نظر کا موضوعِ فکر ہے۔آج کی دنیا مذہبی بنیادوں پر تقسیم کے لحاظ سے عیسائی اکثریّت پر مشتمل ہے۔مغرب کی اکثر ریاستیں اپنے آپ کو جمہوری اورسیکولر کہلانے کے باوجوداپنے جھنڈوں اوراپنے کردار کے لحاظ سے کٹر صلیبی ریاستیں ہیں۔یہود تعداد میں کم مگر عالمی صلیبی ریاستوں کی پشت پناہی کے باعث اسرائیلی ریاست اور صہیونی اثرات کے حامل ہیں۔میڈیا پران کا غلبہ غیرمتنازعہ حقیقت اورسچائی کا درجہ رکھتا ہے۔ کاروباری دنیا پران کے عمل دخل نے کئی عیسائی ریاستوں پربھی ان کا گہرااثر ورسوخ حاصل کرلیا ہے۔اقوام متحدہ بھی کبھی اُن کی مرضی کے خلاف چوں چراتک نہیں کرسکتی اور’ہولوکاسٹ‘ کے حوالے سے الیکٹرانک یاپرنٹ وسوشل میڈیا کی مجال نہیں کہ اُن کی مرضی کے خلاف کوئی لفظ بول سکے۔

اس سب کچھ کے باوجودایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ مغربی ریاستوں اور بالخصوص میڈیا پر غالب وقابض طاقتوں نے یہ ناپاک طرزِعمل اپنا رکھا ہے کہ ہرتھوڑے سے وقفے کے بعد اسلامیانِ عالم کے دلوں کواذیت پہنچانے اورتڑپانے اوران کے دل و دماغ وروحوں کومجروح کرنے کے لئے ان کی دل وجان، ماں، باپ، اولاد، مال واسباب وغیرہ ہرچیز سے محبوب ترین ہستی آقائے نامدارحضرت محمد ﷺ کی ذات پاک پرکیچڑ اچھالنےاورکسی نہ کسی انداز میں توہین کا ارتکاب کرکےاس سے مجرمانہ اوروحشیانہ سرورحاصل کرتے ہیں۔اس سے زیادہ وحشت ودہشت کا کوئی تصورممکن ہی نہیں۔خدا کی قسم یہ بہت بڑی، جی ہاں بہت بڑی، بلکہ سب سے بڑی دہشت گردی ہے۔دہشت گردی کےعنوان سے بیان کیے جانے والے سب قصے اس جرمِ عظیم کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔انیس سواسّی کےعشرے میں برطانوی حکمرانوں کی سرپرستی میں ایک مردود

رشدی کو اس مشن کے لئے اچھالا، ابھارا اور اٹھایا گیا۔ اس وقت کی راقم کی تحریریں ریکارڈ پر ہیں کہ اس ناپاک مہم سے جو کچھ آگے کیا جانا مطلوب تھا وہ بتا دیا گیا اور آج تک ہمارے اندازے سو فیصد درست ثابت ہوئے۔ امریکی صدر بش نے جس صلیبی جنگ کا رسمی طور پر افتتاح کیا، عالم اسلام کو مختلف عنوانوں اور حوالوں سے جس طرح تاراج کیا گیا، باہم جنگ و جدال میں مبتلا کیا گیا، ملک کی قیادتوں کو خاک میں ملایا گیا، امریکہ، برطانیہ و فرانس، اسرائیل کے گٹھ جوڑ سے جو تاریخ رقم کی گئی اس پر ہزاروں صفحات لکھے جاتے رہیں گے۔ اسلامی دنیا کے کئی ملین معصوم مردوں، عورتوں، بچوں، جوانوں کو قتل کیا گیا، لاکھوں کو معذور واپاہج بنایا گیا، شہر اُجاڑے گئے روئے زمین کے حسین ترین اور محبوب ترین مقامات دمشق و بغداد، کابل و قندھار، قاہرہ، طرابلس، کویت، ایران وغیرہ ملکوں کو ناقابل تلافی طور پر برباد کیا گیا صرف کابل کو ہی دیکھ لیا جائے کہ کیسی کیسی کہانیاں اور افسانے بنا کر اسلامی غیور افغانوں کے دارالحکومت پر مستقل قبضہ جمایا گیا۔ آج عرب و عجم میں جو منحوس جنگی فضائیں پیدا کر دی گئی ہیں، مسلمانوں کی ریاستوں پر مغرب پرست، بدعنوان اور ذات پرست لوگوں کو اس طرح براجمان کرایا گیا اور ایسے قانون بنائے گئے کہ سوئس بنکوں اور پانامہ کمپنیوں کی پناہ گاہیں مسلمان ممالک کے مجرموں کے مورچے بن جائیں۔ کیا اسلامیہ جمہوریہ پاکستان اس لیے قائم ہوا تھا کہ بھارت اور مغرب کے ایجنٹ سیاسی قائدین کا روپ دھار لیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس صورتحال کی خالق اسلام دشمن صلیبی و یہودی طاقتوں کے ایجنڈے دنیا کے سامنے ہیں۔ مسجدوں کے مینار و گنبد، خواتین کے حجاب پر پابندیاں، اور بلیک واٹرز کی یلغاریں کیا عالمی امن اور جمہوری سوچوں کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ سوڈان کا حصہ الگ کر دیا گیا مگر کشمیر میں آئے روز مظالم نئے منظر دکھا رہے ہیں، یہ سب مغرب کے ویٹو بردار حاکموں کی کارستانیاں نہیں تو اور کیا ہیں۔ آج کل سوشل میڈیا کو گھر گھر پہنچا کر اُسے کائنات کی عظیم ترین ہستی پر کیچڑ پھینکنا ایک فیشن بنایا جا رہا ہے۔ ہماری رائے میں سوشل میڈیا کو چلانے والی سائنسز کے مسلمان ماہرین کا امتحان ہے۔ اگر ایک شہر میں قاتل، ڈاکو یا کوئی فسادی ظلم و ستم برپا کر رہے ہوں تو مجرموں کو پکڑ کر انجام تک پہنچانے کی کوششیں کی جائیں گی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے حالات میں بسا اوقات وقتی طور پر کرفیو تک نافذ کرنا ضروری ہو جاتا ہے جس سے معمول کی

زندگی تو بہر حال متاثر تو ہوتی ہی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی مہلک بیماری یا اپریشن کی صورت میں جسم کی دنیا پر کئی پابندیاں لگائی جاتی ہیں جو خوراک، لباس، حرکات و معمولات کو بدل دیتی ہیں۔ آج کی پیچیدہ اطلاعاتی دنیا کے ایسے ذلیل ترین ننگِ انسانیت عناصر کو قابو میں لانا عالمی امن وسکون کے لئے ضروری ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ ایک رُشدی سے خباثت کا جو سلسلہ شروع ہوا، آج رُشدیوں کا ابوجہلی لشکر جرار میڈیا میں پھینک دیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے ''مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے'' کہہ کر جو حقیقت بیان کی تھی اس کا آج سامنا ہے اور شاید اسی لیے اقبال کا ذکر بند کرنے کے لئے مغرب پرست حکمرانوں نے یومِ اقبال کی سالانہ چھٹی بھی ختم کر دی ہے۔

ہماری تجویز ہے کہ آئینی عہدوں کے حلف کی عبارت میں یہ الفاظ شامل کیے جائیں کہ ''میری جان، مال، آبرو، والدین، اولاد غرض میرا سب کچھ آقائے نامدار ﷺ کے ناموس کی حفاظت پر قربان ہے''۔ تاکہ وطن عزیز میں مذہبی دہشت گردی کا راستہ روکا جاسکے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

صرف تین دن کا بائیکاٹ
فیس بک انتظامیہ کی بولتی بند کرنے کے لیے کافی ہے

(اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک ہوش ربا تحقیقی رپورٹ)

ابو فیصل محمد منظور انور

فیس بک استعمال کرنے والے مسلمان صارفین فیس بک انتظامیہ کو کل بزنس کا 47.5 فی صد سرمایہ فراہم کر رہے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس طرح یہ مسلمان ممالک کے صارفین سے 51,70,00,000 ڈالرز وصول کرتے ہیں مگر اپنی آمدنی کا اتنا بڑا حصہ وصول کرنے کے باوجود وہ مسلم امت کے جذبات کو مجروح کرنے اور انھیں اشتعال دلانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیتے بلکہ جب وہ توہین اسلام ورسالت کے واقعات اپ لوڈ کرواتے ہیں تو اس کے ری ایکشن میں فیس بک کا استعمال بڑھ جانے سے ان کی آمدنی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی انتظامیہ دانستہ طور پر بوگس اور اشتعال انگیز مواد اپ لوڈ کر کے اپنی آمدنی مزید بڑھانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ یہودی ذہنیت ہے اور یقیناً فیس بک کا مالک یہودی ہے۔

اتنا کثیر سرمایہ مسلمانوں کی طرف سے فراہم کیے جانے کے باوجود یہ دشمن اسلام، اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے والوں کے سرپرستی کرتے ہیں اور انسانی حقوق و آزادی اظہار کے نام پر اور اسلامی مقدس اہم شخصیات کی توہین کرنے سے باز نہیں آتے ذرا سوچیے کہ ہم اس ادارے کو کیا دے رہے ہیں؟ اور اس سے ہمیں کیا مل رہا ہے؟ بقول شخصے ''ہمارے جوتے اور ہمارے ہی سر''۔

ایک رپورٹ میں یہ جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ صرف پاکستان کے کتنے لوگ فیس بک استعمال کرتے ہیں اور ان کی عمر کیا ہے اور کتنے ڈالرز یا روپے فیس بک انتظامیہ ان سے کماتی ہے۔رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

عمر	فی صد	تعداد	آمدنی ڈالروں میں	آمدنی پاکستانی روپوں میں
13سے کم	0.5%	11798.1	28,156.41	2308825.33
14-17	14.1%	332706.42	794010.66	65108874.33
18-24	56.0%	1321387.2	3153517.52	258588437.05
25-34	22.7%	535633.74	1278300.85	104820670.02
35-44	3.8%	89665.56	213988.69	17547072.51
45 +	2.9%	68428.98	163307.16	13391186.92
کل	100%	23,59,620	56,31,281.29	46,17,65,066.16

(یہ اعداد وشمار چند سال پرانے ہیں جب ڈالر 82روپے کا تھا اب ڈالر 106 روپے کا ہے)

اگر اُمت مسلمہ کے صارفین صرف تین دن فیس بک کا استعمال بند کر کے اس کا بائیکاٹ کر دیں تو ان یہودیوں کے سرپرستوں کی عقل ٹھکانے آجائے گی اور ان کے طوطے اڑ جائیں گے اور بولتی بند ہوجائے گی۔کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ہاں یہ ممکن ہے مگر اس کے لئے ہمیں وقتی جذبات سے برانگیختہ ہونے کی بجائے دشمن کی چالوں کو سمجھنا ہوگا جو سازشیں کرنے میں ماہر ہے۔ مذہب کے حوالے سے کسی بھی اسلام دشمن تحریر پر فوری (کلک) ری ایکشن سے پہلے اس بات کو یاد رکھنا بے حد ضروری ہے کہ کہیں یہ دشمن کی سازش تو نہیں کیونکہ فیس بک پر ہزاروں کی تعداد میں بے نامی بوگس اکاؤنٹس کی بھرمار ہے۔چالاک اور مکّار دشمن جان بوجھ کر ہمیں اشتعال دلا کر ہمارے ریکشن سے اربوں روپے بٹورتے ہیں اور ہمارا مذہبی استحصال کرتے ہیں۔پچھلے ایک سال سے پانامہ پیپرز کے ہنگامہ میں ایکشن ری ایکشن کے کلک سے لاکھوں روپے بٹورے جارہے ہیں۔فیس بک پر جنت پاکستان پارٹی کے نام سے ایک ویب سائٹ پر ایک شخص نماز روزہ بارے ہرزہ سرائی کرنے میں مصروف ہے اس پر ری ایکشن ضروری ہے مگر اس کی حقیقت کو

پہلے سمجھنا بے حد ضروری ہے کہیں یہ بھی کسی سازش کا حصہ تو نہیں ہے؟ اس طرح ہزاروں کی تعداد میں بوگس ناموں سے ویب سائٹس اپ لوڈ کی گئی ہیں جن پر مختلف متنازعہ ایشوز اٹھائے جاتے ہیں اس طرح ان پر ری ایکشن کی بھرمار ہو رہی ہے اور ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ یہودی و نصرانی اسلام دشمن اس طرح ہمارے وسائل کے اربوں روپے غیر محسوس انداز میں ہم سے بٹور رہے ہیں اور ساتھ ہی ہمارے مذہبی جذبات کو اشتعال دلا کر اپنے مکروہ عزائم پورے کرنے میں مصروف ہے ہمیں اسلام دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے اقدامات اٹھانے کی فوری ضرورت ہے۔ ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

قرآن اکیڈمی جھنگ
کے زیرِ اہتمام منعقدہ
سیمینارز کی رپورٹ

عبد المجید کھوکھر

انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ ابتدا ہی سے امت مسلمہ کی صحیح سمت میں رہنمائی کے لئے کوشاں ہے۔ قرآن اکیڈمی جھنگ کے قیام کے بعد اپنے مقاصد کی وسیع پیمانے پر تشہیر اور اعلیٰ علمی سطح پر پیش کرنے کے لئے سیمینار کا اہتمام کرتی رہتی ہے۔ اس سلسلہ میں اپریل تا جون 2017ء مصروف کن سہ ماہی رہی ہے۔ دعا ہے اللہ ربّ العزت اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبہ دین حق کے لئے ہماری یہ مساعی قبول فرمالیں۔ (آمین)

1۔ فکر اقبال کی روشنی میں

(21ویں صدی میں ایک جدید اسلامی نظریاتی فلاحی عوامی ریاست)

پاکستان کے نظامِ تعلیم کے خدوخال سیمینار

23/اپریل 2017ء بروز اتوار صبح 10 بجے تا 01 بجے تک قرآن اکیڈمی میں ایک اہم سیمینار ''فکر اقبال کی روشنی میں (21ویں صدی میں ایک جدید اسلامی نظریاتی فلاحی عوامی ریاست) پاکستان کے نظامِ تعلیم کے خدوخال'' کے عنوان سے منعقد ہوا۔ مہمانانِ گرامی جناب پروفیسر محمد حسین صاحب (جوہرآباد)، جناب ڈاکٹر طالب حسین سیال صاحب (شعبہ اقبالیات انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)، جناب ڈاکٹر طاہر حمید تنولی صاحب (اقبال اکیڈمی

لاہور) اور جناب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب (صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و سابق چیئر مین شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی لاہور) تشریف لائے۔ سیمینار کا آغاز تلاوتِ کلام پاک اور ترجمہ سے ہوا۔ اس کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ پڑھی گئی۔ پھر انجینئر مختار فاروقی صاحب نے اس سیمینار سے متعلق تعارفی کلمات بیان کیے۔ اس کے بعد موضوع سے متعلق مہمانانِ گرامی کی سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ نہایت علمی و ادبی، اعلیٰ سطح کی فکری موضوعات کی وجہ سے تعلیم و تحقیق سے تعلق رکھنے والے اساتذہ، طلبہ، سامعین بھی تشریف لائے۔ مہمانان نے قرآن اکیڈمی میں نماز ظہر ادا کی اور چند احباب نے مہمانان سے انفرادی سوالات بھی کیے۔

2۔ استقبالِ رمضان المبارک سیمینار

انجمن خدام القرآن جھنگ کے زیر اہتمام 23 مئی 2017ء بروز بدھ بعد از نماز مغرب، ابراہیم میرج ہال کینال روڈ جھنگ صدر میں رمضان المبارک کے استقبال اور قرآن حکیم سے تمسک پیدا کرنے کے لئے سیمینار منعقد کیا گیا۔ جس میں تلاوت و ترجمہ حافظ عطا الرحمٰن صاحب نے اور نعت جواد عمر صاحب نے پیش کی۔ محترم فضل الرحمٰن جوئیہ ایڈووکیٹ (سابق صدر بار جھنگ) نے اپنے خطاب میں قرآن حکیم کو دستور انقلاب قرار دیتے ہوئے رمضان المبارک کو ماہِ تربیتِ انقلاب سے تعبیر کیا۔ اس حوالے سے آپ نے تبدیلی نظام کے سلسلہ میں روزہ اور قیام اللیل کی اہمیت کو بیان کیا۔ محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب (صدر انجمن خدام القرآن فیصل آباد) جو اس پروگرام کے مہمانِ خصوصی تھے، نے قرآن حکیم کے تدبر و تفکر پر زور دیا اور آپ نے روزہ و تقویٰ کی وضاحت کرتے ہوئے قرآنی اور اسلامی اصطلاحات کی امثال سے وضاحت کی، جس سے سامعین پر گہرا اثر ہوا۔ آخر میں انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب (صدر انجمن خدام القرآن جھنگ) نے رمضان المبارک میں قرآن حکیم سے تعلق بڑھانے کے لئے قرآن اکیڈمی کے پیغام اور اس سلسلہ میں ہونے والے پروگراموں میں شرکت کی طرف توجہ دلائی۔ محترم انجینئر عبداللہ اسماعیل اس سیمینار کے نقیب محفل تھے جو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سنا کر قلوب و اذہان کو منور کرتے رہے۔

3۔ رحمتوں اور برکتوں کی رات

رمضان المبارک کی 27ویں رات

نزولِ قرآن اور قیام پاکستان کی رات سیمینار

قرآن اکیڈمی جھنگ میں ہر قمری مہینے کی 27ویں شب کو شب بیداری ہوتی ہے، جس میں تربیتی، اخلاقی، مطالعاتی نشستیں بھی ہوتی ہیں۔ اسی حوالے سے رمضان المبارک کی 27شب میں نزولِ قرآن و قیامِ پاکستان کے حوالے ایک خصوصی پروگرام منعقد ہوا۔ اس سال بھی اس پروگرام میں اسلامی سکالر، کالم نگار، سینئر تجزیہ نگار محترم اوریا مقبول جان تشریف لائے، آپ نے تحریک آزادی کے حوالے سے سورۃ النحل کی آیت نمبر 112 کے تناظر میں پاکستان کے موجودہ حالات اور قیامِ پاکستان کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی۔ اقبال کی شاعری اور تاریخی حوالوں سے سامعین کے جوش وجذبے کو خوب گرمایا۔ انھوں نے سارے مسائل کا حل اجتماعی توبہ قرار دیا اور لیلۃ القدر میں قیام پاکستان پر ایک اُمید افزا خطاب فرمایا۔

محترم میجر (ر) نصر اللہ بٹر صاحب جو تنظیم الاخوان پنجاب کے صدر رہے ہیں، بھی تشریف لائے ہوئے تھے، انھوں نے حالات و واقعات سے بیدار کیا کہ ہمارا کردار ہی ہم پر حکومت کرے گا۔ اگر ہمارا کردار و عمل درست ہے تو واقعی اس بھنور سے نکل سکتے ہیں۔

صدر انجمن انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کی خصوصی دعوت پر نامور مصنف اور بزرگ کالم نگار محترم عبدالرشید ارشد صاحب جوہر آباد سے تشریف لائے ہوئے تھے، انھوں نے اپنی گفتگو میں اوریا مقبول جان صاحب کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے قیام پاکستان کے وقت کے حالات اور اپنے مشاہدات بیان کیے اور اُمت مسلمہ کے حکمرانوں کے مجموعی کردار پر روشنی ڈالی اور اختتام پر دعا بھی کروائی۔ یہ سیمینار رات ڈیڑھ بجے اختتام پذیر ہوا۔ 250 سے 300 افراد نے شرکت کی۔ محترم فاروقی صاحب نے نقیب محفل کے فرائض سرانجام دیے۔ آپ نے قیام پاکستان سے ہی اسلامی قانون کی تدوین کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی آرزو بیان کی کہ اس پر کام ہونا اشد ضروری ہے۔

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگاہ: حافظ مختار احمد گوندل

1 خطباتِ دائم

موت اور کیفیاتِ موت

مقرر: علامہ قاضی عبدالدائم دائم

جمع وترتیب: قاری جاوید اختر

پیشکش: خانقاہ نقشبندیہ، مجددیہ عیدگاہ شریف، ہری پور ہزارہ

زیر تبصرہ خطباتِ دائم جلد سوم کے یہ سولہ ایمان افروز اور وجد آفرین خطبات کا مجموعہ ہے جو صاحب تصنیف نے اپنی مسلسل اتوار کی محافل میں موت اور کیفیاتِ موت کے حوالہ سے ارشاد فرمائے اور جنھیں قاری جاوید اختر ہزاروی صاحب نے محنت شاقہ سے جمع وتدوین کے مراحل کے بعد نذرِ قارئین کیا ہے۔ حیات اور حیات بعد الممات کے درمیان فرقت کی وہ ساعتیں اور مراحل جن سے ہر انسان کو آشنا ہونا ہے یہ انہی لمحات کا دل آویز اور عبرت انگیز تذکرہ ہے۔ زندگی اور موت کے مابین جدائی کے یہ مراحل ایک کائناتی موضوع ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام ان مناظر کو اپنی اُمتوں تک پہنچاتے رہے اور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت، جہنم اور حیاتِ برزخ کے ان مشاہدات کو بدرجہ اَتم اپنی اُمت کے سامنے پیش کیا۔ اسی موضوع پر صاحب تصنیف نے اپنی کاوشوں کو جمع کر دیا ہے۔ ان خطبات کے مطالعہ سے یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ آپ ایک قادر الکلام شاعر بھی ہیں اور اپنے خطبات کو فی البدیہہ اور برمحل اشعار سے مزین بھی کرتے جاتے ہیں۔ خطباء کے لیے یہ ایک رہنما، قارئین کی معلومات میں ایک نادر اضافہ اور کتب خانوں کی ناگزیر ضرورت ہے۔ اگر ادارہ ہذا کو خطبات دائم کی پہلی اور دوسری جلد موصول ہوتی تو اس پر بھی

سیر حاصل تبصرہ کر دیا جاتا۔ تاہم یہ تبصرہ صرف خطباتِ دائم کی جلد سوم پر ہی محیط ہے۔

3 مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ کے حضور

مصنف: محمد صادق قصوری

ناشر: مجاہد ملت فاؤنڈیشن، قصور

زیر تبصرہ تصنیف منیف یادگار اسلاف، مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ کی ربع صدی پر مشتمل 69 مجالس کا تذکرہ جو جدید اسلوب تحقیق سے لبریز، دیدہ وری، عرق ریزی پر مشتمل 256 صفحات پر مرقوم ایک دل آویز داستان ہے۔

صنف ادب میں مجالس و ملفوظاتِ اولیاء اہل تصوف کے ہاں ان کے تذکروں کا معمول رہا ہے۔ تا کہ عامۃ الناس ان کے اقوال وافعال کو درسِ حیات کا درجہ دیں۔ اگرچہ ان جیسا بننا تو مشکل ہے تاہم ان نورانی کرنوں سے آنے والی نسلیں اپنی زندگیوں کے کچھ گوشے تو منور کر سکتی ہیں۔ اور ان کی قربتوں کی سعادتوں سے معمور افراد تو نہایت خوش قسمت تصور کیے جاتے ہیں۔ جو ایسی عظیم ہستیوں کی قدم بوسیوں سے مستفیض ہو چکے ہوں۔

مجاہد ملت فاؤنڈیشن جس کے روحِ رواں جناب محمد صادق قصوری صاحب ہیں اور آنے والی نسلوں تک مجاہد ملت کے افکار ونظریات پہنچا رہے ہیں خصوصاً 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں مجاہد ملت کو تختہ دار پر لٹکانے اور پھر ان کی رہائی کا دل دوز تذکرہ قابل مطالعہ ہے۔ انہی قربانیوں کا ثمرہ 1974ء کی تحریک ختم نبوت میں قادیانیوں کو کافر قرار دیا جانا ہے۔ حضرت مجاہد ملت کے مجاہدانہ کردار کی یہ جھلکیاں اور ان کی روحانی مجالس کی برکات سے وابستگان کی آج بھی ایک کثیر تعداد پاکستان میں موجود ہے۔

زیر تبصرہ پیپر بیک کتاب مستطاب پاکستان کی تاریخ کا ایک رخشندہ باب اور تحاریک اسلامی کے کارکنوں کے لیے ایک نصاب کا درجہ رکھتی ہے۔ لائبریریوں کی ضرورت تو ہے لیکن ترجیحاً اس کا مجلد صورت میں ہونا بھی ضروری تھا۔

کتابی سلسلہ **جہانِ نعت**، کراچی

اسلام آباد میں نعتیہ ادبی سرگرمیاں (خصوصی اشاعت)

مدیر: محمد رمضان میمن

ناشر: شارع مسجد حدیبیہ، گلشن حدید، فیز 2، بن قاسم ضلع ملیر، کراچی

زیرِ تبصرہ جہانِ نعت دراصل ایک سیریز ہے، جس کے اہداف میں ''فروغِ نعت اور نعتیہ ادبی سرگرمیاں'' شامل ہیں۔ یہ اسلام آباد میں نعتیہ ادبی سرگرمیوں پر ایک خاص نمبر ہے۔ جو مدحتوں، نعتیہ نظموں، تنظیموں بالخصوص اسلام آباد میں محفل نعت پاکستان، بزمِ حمد و نعت اور طرحی و غیر طرحی نعتیہ مشاعروں اور شعراء کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ اسلام آباد میں نعتیہ ادبی سرگرمیوں پر یہ جامع دستاویز نعتیہ جرائد میں سنام کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ ایک نیا رجحان ہے جس کا سہرا اربابِ جہاں نعت اور اس کے مدیر محمد رمضان میمن صاحب کے سر ہے جن کی بھرپور محنت اور مساعی سے یہ منصۂ شہود پر آیا۔ اگرچہ اگلا شمارہ علامہ سید مرغوب اختر الحامدی (حیدرآباد، سندھ) کی نعت نگاری پر خاص نمبر ہوگا۔ تاہم اگر یہ سلسلہ پاکستان کے دیگر اضلاع بالخصوص سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی نگری خطۂ جھنگ کے دبستانِ مدحت کا پس منظر و پیش منظر، بزم ہائے حمد و نعت، نعتیہ ادبی سرگرمیوں، مشاعروں، نعت خوانوں، نعتیہ مجموعوں اور کتب خانوں کے تذکروں تک دراز ہو جائے تو عشاقِ طیبہ کے جذبوں کی تسکین اور نعتیہ ادب میں ایک حسین اضافہ ہوگا۔

حضرت مسرور کیفی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں جاری ہونے والا یہ کتابی سلسلہ پاکستان میں نعتیہ رسائل و جرائد کا سرخیل ہے اور اس سلسلہ کی ہر کڑی کتب خانوں کی ناگزیر ضرورت ہے۔

ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی نمازِ فجر سے لے کر تیرھویں تاریخ کی نمازِ عصر تک ہر شخص پر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے (مرد بلند آواز سے پڑھے اور عورت پست آواز سے)

اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ

قرآن اکیڈمی جھنگ کی تقریب

لیلۃ القدر اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام

عبد الرشید ارشد جوہر آباد

قرآن اکیڈمی جھنگ اور ماہنامہ حکمت بالغہ کے بالغ النظر مہتمم محترم انجینئر مختار فاروقی صاحب نے 27 رمضان المبارک کی شب ایک پروقار تقریب سعید کا اہتمام فرمایا۔ قرآن اکیڈمی کے عالیشان ہال میں بیٹھے حاضرین اور مقررین یوں آنے سامنے تھے جیسے کوئی مکالمہ ہو۔ یہ ہال تعمیر کا شاہکار تھا جو یقیناً انجینئر صاحب کا ہی ڈیزائن کردہ ہے۔ تقریب کا آغاز فرماتے میزبان صاحب نے فرمایا کہ آج کی رات کئی وجوہ سے بابرکت ہے کہ لوحِ محفوظ سے نزولِ قرآن اسی لیلۃ القدر میں ہوا تھا جو اُمت مسلمہ کے ہر دکھ درد اور خوشحالی و شادمانی کا نسخہ لیے ہے اور اسی بابرکت شب ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ہندوؤں کی زیادتیوں کا مؤثر مقابلہ کرنے کی خاطر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تشکیل فرمائی یوں قرآنِ حکیم اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا باہم اٹوٹ رشتہ ہے جسے ہم مستحکم رکھنے کے لیے مکلّف ہیں۔

تقریب کے مہمانِ خصوصی ملک کے معروف ادیب و قلمکار سابق اعلیٰ بیوروکریٹ اوریا مقبول جان تھے جبکہ دوسرے اہم مقرر جناب میجر نصر اللہ بٹر صاحب تھے۔ تقریب کا آغاز سورۃ الانفال کی جن آیاتِ کریمہ سے کیا گیا وہ مماثلت میں تخلیقِ وطن اور ہجرت سے متعلق تھیں۔ نعت خوان صاحب نے جس نعت سے حاضرین کو نوازا وہ بہت ہی متاثر کن تھی وہ بار بار جب یہ الفاظ دہراتے ”دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو“ تو دلوں کی کیفیت سننے والوں کے چہروں سے عیاں ہوتی تھی۔

نعت کے بعد جناب میجر نصر اللہ بٹر صاحب کو دعوتِ خطاب دی گئی۔ اُنھوں نے 14/ اگست 1947ء کی شب اعلانِ پاکستان اور تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کی پاکستان کے لیے ہجرت کا نقشہ کھینچتے بتایا کہ جس طرح مسلمانوں نے وطن عزیز کے لیے لاکھوں جانوں اور عزتوں کی پامالی کی قربانی پیش کی، ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں، افرادی نقطۂ نظر سے یہ ہجرت، ہجرتِ مدینہ سے بہت بڑی اور بہت ہی اذیت ناک تھی۔ یہ مشقتیں مسلمانوں نے صرف اس لیے برداشت کی تھیں کہ ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان میں آزادی کے ساتھ اسلامی ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزار سکیں گے۔ استحکامِ وطن کے حوالے سے

اُن کا فرمان تھا کہ ذاتی اصلاح ہی اجتماعی اصلاح کی کنجی ہے اور اس میں استحکامِ وطن کا راز ہے۔ اسلام جس چیز کا نام ہے وہ دین، دین اور صرف دین ہے، وہی دین جو قرآن نے دیا اور اللہ کے رسول ﷺ نے دیا۔

مہمانِ خصوصی جناب اوریا مقبول جان صاحب نے اپنے انتہائی جذباتی خطاب کا آغاز قرآن و حدیث سے انتخاب سے فرمایا اور مقصد تخلیق پاکستان کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔ آپ نے سامعین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کو یاد ہوگا ہم نے نعرہ لگایا تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟...... لا اِلٰہ اِلا اللہ'' مگر بدنصیبی کہ ہم اس کی لاج نہ رکھ سکے۔ اسلام کے نظامِ تعلیم نے اُمت کو بڑے بڑے سکالر دیے تھے جنھوں نے قرآن حکیم کے نور سے منور سینوں کے ذریعے مختلف علوم سے اُمت کو فیضیاب کیا تھا مگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہم نے جس نظامِ تعلیم کو اپنی نسلوں کے لیے پسند کیا اُس نظامِ تعلیم نے دین تو کیا ہماری دنیا بھی خراب کی۔ جس کا منہ بولتا ثبوت آج کا ہمہ جہت انحطاط ہے۔ قرآن کریم نے مسلم ملت کو فکر و تدبر کی دعوت دی تَدَبَّرُوْا، تَفَکَّرُوْا مگر جب مسلمان ہونے کے دعویداروں نے فکر و تدبر کی راہ چھوڑ کر روشن خیال نظامِ تعلیم کے پلڑے میں وزن ڈالا تو استحکامِ پاکستان کے تمام تر تقاضے منہ موڑ گئے اور ایک بازو تک کٹ گیا۔ آج ہمارا نظامِ تعلیم ہمیں سندھی، بلوچی اور پنجابی ثقافت تو سمجھا رہا ہے مگر اجتماعی اسلامی کلچر کا سبق ہماری نصابی کتابوں میں تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتا۔

پروگرام کے آخر میں راقم الحروف کو دعا کے لیے سٹیج پر بلایا گیا تو دعا سے قبل چند جملے میں نے بھی عرض کیے۔ جناب میجر صاحب اور جناب اوریا مقبول جان صاحب نے ہجرت اور 1965ء کی جنگ کے حوالے سے جو کچھ فرمایا تھا میں نے اُن کی تائید کی کہ میں نے شعور کے ساتھ ہجرت کی تھی، تعمیر وطن کی بنیادوں میں اپنے دو پیاروں کا خون دیا تھا اور 1965ء کی جنگ میں عملاً شریک رہا تھا۔ انحطاط کے حوالے سے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان حاضرین کو سنایا تھا فرمایا: ''ہم سینہ دھرتی پر ذلیل ترین قوم تھے، ہم دہشت گرد تھے، بے حیا تھے کہ طواف برہنہ کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمارے اندر ایک نبی پیدا فرمایا، دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اُس نبی کو قرآن کی نعمت سے نوازا اور تیسرا احسان یہ فرمایا کہ اس قرآن کو ہمیں سینوں میں اُتار لینے کی سعادت سے نوازا اور جس دن قرآن ہمارے سینوں میں اُتر آیا ہم دنیا کی مہذب ترین اور مستحکم ترین قوم بن گئے''۔ آج اگر قرآن ہمارے سینوں میں عملاً آ جائے، محض زبانوں تک نہ رہے تو ہم بھی مستحکم قوم بن سکتے ہیں۔ بعد ازاں دعا کی گئی۔

ان شاءاللہ العزیز

قرآن اکیڈمی جھنگ

25 روزہ قرآن فہمی کورس

پھر سوئے حرم لے چل

39واں کورس

05 اگست تا 28 اگست 2017ء

جس میں ترجیحاً انٹر میڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں تاکہ قران مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں۔

معلومات کے لیے 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر اس تربیتی کورس کا بروشر مفت حاصل کریں یا hikmatbaalhga@yahoo.com پر بروشر کے حصول کے لیے درخواست ای میل کریں

اپنی فرصت کے مطابق بذریعہ فون یا ای میل اپنا نام رجسٹر کرائیں

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

0336-6778561